حصّہ دوم

آگ اور صلیب

باب ۱۲

مشرق اور مغرب کی جنگوں کا نیا دور ایران میں کسریٰ نوشیرواں اور بازنطینی[1] روم میں قیصر جسٹنین کے اقتدار کے ساتھ شروع ہوا۔

یہ وہ زمانہ تھا جب رومی بڑی تیزی کے ساتھ مشرق اور مغرب کی طرف پھیل رہے تھے۔ اہل حبشہ حمیری فرمانرواؤں کو شکست دے کر یمن پر قبضہ کر چکے تھے اور چونکہ وہ مذہباً عیسائی تھے اس لئے رومی اُن کی پشت پناہی کرتے تھے لیکن ایرانی اپنے ہمسایہ ملک کے ایک اہم حصہ پر روم کے عیسائی حلیفوں کی فتح گوارا نہ تھی۔ وہ یہ محسوس کرتے تھے کہ اہل حبشہ مشرق کی طرف رومیوں کے اثر و اقتدار کا راستہ صاف کر رہے ہیں۔ شام اور عراق کی سمت عرب کی سرحدوں کے ساتھ غسانی اور لخمی خاندانوں کی منافرتیں بھی روم و ایران کے لئے وجہ نزاع بن گئی تھیں۔ حیرہ کے لخمی حکمران ایرانیوں کے حلیف اور شام کے غسانی فرماں روا رومیوں کے باجگزار تھے۔ اور ان دو خاندانوں کی نہ ختم ہونے والی جنگیں رومیوں اور ایرانیوں کو بھی بتدریج میدان کارزار کی طرف دھکیل رہی تھیں۔

چنانچہ کسریٰ نوشیرواں نے ایران کے اندرونی خلفشار سے نجات حاصل کرتے ہی بازنطینی سلطنت کی مشرقی سرحدوں پر دھاوا بول دیا اور شام کے باشندے پھر ایک بار آگ اور خون کے طوفان کی تباہ کاریاں دیکھ رہے تھے۔ لیکن قیصر

[1] روم کی مشرقی سلطنت جس کا دارالحکومت قدیم بازنطین یا قسطنطنیہ تھا۔ ۳۳۰ء کے بعد اسی سلطنت کو صحیح معنی میں رومی سلطنت سمجھا جاتا ہے۔

جسٹنین کے ہوشیار اور تجربہ کار جرنیل بلیساریوس نے ایرانی لشکر کی پیش قدمی روک دی اس کے بعد چند سال امن کے گزرے لیکن ۵۴۰ء میں نوشیرواں نے تین لاکھ فوج کے ساتھ شام پر یلغار کی اور راستے کی آبادیوں کو تباہ و برباد کرنے کے بعد حلب کے خوبصورت شہر کو آگ لگا دی۔ ان ایام میں رومی افواج یورپ میں برسرپیکار تھیں۔ نوشیرواں نے شام میں رومیوں کی کمزوری سے پورا فائدہ اٹھایا اور حمص کے تمام نواحی علاقے تباہ و ویران کرنے کے بعد انطاکیہ کی طرف جا نکلا یہ قسطنطنیہ اور اسکندریہ کے بعد بازنطینی سلطنت کا تیسرا عظیم شہر تھا۔ اور ایرانی لشکر نے یہاں بھی حلب اور حمص کی طرح پوری سفاکی اور درندگی کا مظاہرہ کیا۔ شام کے کئی اور شہروں کو لوٹنے کے بعد نوشیرواں نے واپس مدائن کا رُخ کیا تو مفتوحہ علاقوں کے ہزاروں مرد اور عورتیں جنگی قیدیوں کی حیثیت سے اُس کے ساتھ تھیں۔ ان قیدیوں کے لئے اُس نے مدائن سے ایک دن کے فاصلے پر ایک نیا شہر آباد کیا۔

کچھ مدت آرام کرنے کے بعد اُس نے مشرق اوسط میں رومیوں کا رہا سہا اقتدار ختم کرنے کے لئے فلسطین پر حملے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ لیکن قیصر روم نے بلیساریوس کو جو اٹلی میں یورپ کے وحشی قبائل کے خلاف مصروف پیکار تھا دوبارہ مشرقی محاذ پر بلا لیا۔ روم کے اسی تجربہ کار جرنیل نے اچانک ایران کی سرحد پر پہنچ کر نوشیرواں کو نہ صرف یروشلم کی طرف پیش قدمی کا ارادہ ملتوی کرنے پر مجبور کر دیا بلکہ ایران کے لئے ایسی صورت حال پیدا کر دی کہ نوشیرواں کے لئے اپنے لشکر کے اُن دستوں کو بھی واپس بلانے کے سوا کوئی چارہ کار نہ رہا، جو ابھی تک ایشیائے کوچک میں لوٹ مار کر رہے تھے۔ لیکن اُس وقت، جب بلیساریوس فرات کے کنارے ایرانیوں سے کسی فیصلہ کن لڑائی کی تیاریاں کر رہا تھا، قسطنطنیہ کے دربار میں اُس کے خلاف سازشیں شروع ہوئیں اور اسے واپس بلا لیا گیا۔ اس کے بعد روم اور ایران کے حکمرانوں نے مصالحت کر لی اور چند سال امن سے گزر گئے۔ جسٹنین کی وفات کے بعد روم کی عنان اقتدار اُس کے بھانجے جسٹنین ثانی کے ہاتھ میں آئی اور اُس نے بھی چند سال نوشیرواں سے الجھنے کی ضرورت محسوس نہ کی لیکن اچانک یمن کے حالات نے روم و ایران کے درمیان تصادم کی ایک نئی صورت پیدا کر دی۔

۵۷۰ء میں یمن کے حبشی حکمران ابرہہ نے مکہ پر چڑھائی کی، اُس کا مقصد ایک طرف اُس قدیم تجارتی شاہراہ پر مکمل قبضہ جمانا تھا جو یمن اور شام کی تجارتی منڈیوں کو ملاتی تھی اور دوسرا مکہ کی مذہبی حیثیت کو ختم کر کے عرب میں عیسائیت کا راستہ صاف کرنا تھا۔ ابرہہ کو یقین تھا کہ مکہ میں خانہ کعبہ کو مسمار اور حجر اسود کو وہاں سے اٹھا کر یمن کے عبادت خانے میں

منتقل کر دینے کے بعد وہ مکہ کی بجائے یمن کو عربوں کی توجہ کا مرکز بنا سکے گا اور اس طرح وہ عیسائیت کی طرف مائل ہو جائیں گے۔ اہل روم اس بات پر خوش تھے کہ عرب کے جنگجو قبائل عیسائیت قبول کرنے کے بعد ابرہہ کے زیر اثر اُن کے حلیف بن جائیں گے اور اُن کی متحدہ قوت ایرانیوں کے خلاف استعمال کی جا سکے گی۔ چنانچہ جب ابرہہ نے اپنے ہاتھیوں کے ساتھ مکہ پر چڑھائی کی تو قیصر اور کلیسا کے اکابر کی دعائیں اُس کی جلو میں تھیں۔ اب عرب کے بے آب وگیاہ صحراؤں کے پسماندہ جاہل اور بے راہ رو باشندوں کے مستقبل کے افق پر نئی تاریکیوں کا اضافہ ہونے والا تھا کسی بیرونی تسلط سے آزادی اُن کی آخری نعمت تھی اور اب یہ نعمت بھی اُن سے چھننے والی تھی۔ ابرہہ ایک ایسی فوج کا سپہ سالار تھا جس کا ہر سپاہی فتح کے یقین سے سرشار تھا۔ اُس کے سامنے وہ میدان تھے جو دشمن کی صفوں سے خالی تھے۔ وہ ایک ایسی بستی کو تاخت وتاراج کرنے جا رہا تھا جس میں نہ فصیلیں تھیں، نہ قلعے۔

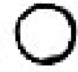
لیکن اہل مکہ کی تمام کمزوریوں اور بد اعمالیوں کے باوجود احکم الحاکمین کو ابرہہ کے ہاتھوں اُس گھر کی تباہی منظور نہ تھی جس کی بنیاد خلیل اللہ نے رکھی تھی۔ وہ اس گھر کو اُس چراغ کے لئے محفوظ رکھنا چاہتا تھا جس کے نور سے مشرق و مغرب کے ظلمتکدے روشن ہونے والے تھے۔

مغربی مورخ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ ابرہہ نے ہاتھیوں کے لشکر سے مکہ پر چڑھائی کی تھی۔ وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ اُس کا مدمقابل کوئی نہ تھا۔ وہ اس واقعہ کو بھی نہیں جھٹلاتے کہ اُسے عبرتناک شکست ہوئی تھی لیکن یہ بات اُن کی سمجھ میں نہیں آسکی کہ ابرہہ کے ہاتھی ابابیلوں کے خدائی لشکر کے سامنے عاجز آگئے تھے۔

ابرہہ کی شکست سے عرب کو اپنے پنجۂ اقتدار میں لانے کے متعلق رومیوں کی امیدیں خاک میں مل گئیں۔ پھر جب اُس کے بیٹوں کے درمیان اقتدار کی جنگ چھڑی تو حمیری خاندان کا ایک شہزادہ گمنامی کے پردوں سے نکل کر مدائن پہنچا اور اہل حبشہ کو یمن سے نکالنے کے لئے نوشیرواں سے اعانت کا طلبگار ہوا۔ نوشیرواں ایک مدت سے موقعہ کا منتظر تھا۔ چنانچہ اُس نے کسی توقف کے بغیر یمن پر چڑھائی کر دی۔ ایرانی افواج نے ایک ہی ریلے میں اہل حبشہ کو یمن کی حدود سے باہر دھکیل دیا۔ لیکن حمیری شہزادے کو جلد ہی اس "تلخ حقیقت" کا اعتراف کرنا پڑا کہ اُس کی کوشش کا ماحصل آقاؤں کی تبدیلی کے سوا کچھ نہیں۔ یمن جو قریباً نصف صدی تک اہل حبشہ کی شکارگاہ رہ چکا تھا اب ایرانیوں کی شکارگاہ بن گیا تھا۔ ایرانیوں کے ہاتھوں حبشہ کی افواج کی شکست کی اطلاع قسطنطنیہ پہنچی تو شہنشاہ جسٹنین نے

نوشیرواں کے خلاف اہل حبش اور وسطی ایشیا سے لے کر مشرقی یورپ تک کے منگول اور ترک قبائل کا ایک متحدہ محاذ بنا لیا۔ نوشیرواں نے اہل روم کی جنگی تیاریوں کی اطلاع ملتے ہی چڑھائی کر دی۔ جب وہ شام کے شہروں کو تاخت وتاراج کر رہا تھا تو اُس کے ایک جرنیل آذرمان نے بابل سے پیش قدمی کی اور شمال مغرب کی طرف اپنے راستے کی بستیوں اور شہروں کو تباہ و برباد کرنے کے بعد انطاکیہ کے مضافات تک جا پہنچا۔ قسطنطنیہ کے عوام پر ایرانی فتوحات کا یہ اثر ہوا کہ وہ اپنے حکمران کے خلاف ہو گئے اور جسٹنین کو شرم وندامت کے باعث اپنے تخت وتاج سے دستبردار ہونا پڑا۔ نئے حکمران طائبیریس نے ہوشمندی سے کام لے کر تین سال کے لئے عارضی صلح کر لی۔ لیکن اس دوران میں اہل روم پورے جوش وخروش کے ساتھ جنگ کی تیاریاں کرتے رہے۔ تین سال بعد رومیوں کی تیاریوں کا یہ عالم تھا کہ دریائے رائن سے لے کر ایلپس کے پہاڑوں تک یورپ کی جنگجو اقوام کے قریباً ڈیڑھ لاکھ سوار مشرق کا رُخ کرنے کے لئے طائبیریس کے حکم کا انتظار کر رہے تھے۔ نوشیرواں کو ان تیاریوں کی اطلاع اُس وقت ملی جب روم کے سفیر اُس کے دربار میں دائمی مصالحت کی تجاویز پیش کر رہے تھے۔ چنانچہ ہوشیار سفیروں کو اُس کا آخری جواب یہ تھا۔ "تم جاؤ اور مزید گفتگو کے لئے قیساریہ میں ہمارے لشکر کی آمد کا انتظار کرو۔"

چند ہفتے بعد ایران اور روم کے سپاہی دریائے فرات کے کنارے نبرد آزما تھے۔ ایرانی اپنے مورچوں سے تیروں کا مینہ برسا رہے تھے اور رومی دست بدست لڑائی کے لئے اُن کے قریب آنے کا انتظار کر رہے تھے۔ ایک ترک سردار نے جو رومی لشکر کے دائیں بازو کی کمان کر رہا تھا، اچانک ایرانی فوج کے میمنہ پر حملہ کر دیا اور دشمن کی صفیں درہم برہم کرتا ہوا نوشیرواں کے کیمپ تک جا پہنچا۔ اُس نے شاہی خیمے کی طنابیں کاٹ ڈالیں۔ سونے کی انگیٹھی میں مقدس آگ کے شعلے بجھا دیئے اور اپنے جانبازوں کے ساتھ فتح کے نعرے لگاتا ہوا واپس آگیا۔ اس کے بعد باقی دن فریقین اکا دکا حملوں پر اکتفا کرتے رہے۔ رات کے وقت جب رومی افواج آرام کے لئے پیچھے ہٹ گئیں تو ایرانیوں نے شبخون مار کر ان کا کیمپ لوٹ لیا۔ تاہم دن بھر کے نقصانات اور ان سے زیادہ مقدس آگ بجھ جانے کے باعث مجوسیوں کے حوصلے اس قدر پست اور ان کا جوش اس قدر ٹھنڈا ہو چکا تھا کہ نوشیرواں کو پسپائی ہی میں خیریت نظر آئی اور اُس نے ایک ہاتھی پر سوار ہو کر دریائے فرات عبور کر لیا۔ رومیوں نے پیش قدمی کر کے بحیرہ خزر کی چند بندرگاہوں پر قبضہ کر لیا اور ستر ہزار ایرانیوں کو قیدی بنا کر اپنے ساتھ لے گئے جنہیں بعد میں سائپرس بھیج دیا گیا۔



موسم بہار کی آمد پر رومی لشکر نے دوبارہ پیش قدمی کی اور اشوریا کے کئی زرخیز علاقے تباہ کر دیئے۔ ایران کے عمر رسیدہ حکمران کو بالآخر موت کی آغوش میں پناہ ملی اور امرا نے اس کی آخری نصیحت پر عمل کرتے ہوئے رومیوں کے خلاف جوابی کارروائی کا ارادہ ترک کر دیا۔

نوشیرواں کے بعد ایران کے تخت پر اُس کا بڑا بیٹا ہرمز رونق افروز ہوا۔ یہ خود پسند اور مغرور حکمران ہر معاملے میں اپنے باپ کی ضد ثابت ہوا۔ اس نے نوشیرواں کے وفادار ساتھیوں کو ایک ایک کر کے دربار سے نکال دیا اور ان کی جگہ ذلیل اور خوشامدی اپنے گرد جمع کر لئے۔ ایران میں جبر و تشدد کا ایک طوفان اُٹھ کھڑا ہوا۔ جب عوام کا پیمانۂ صبر لبریز ہو گیا اور بعض علاقوں میں بغاوت کے آثار ظاہر ہونے لگے تو مدائن کے مغرب کی طرف سے شہنشاہ روم اور شمال کی طرف سے خاقانِ ترک کی پیش قدمی کی خبریں آنے لگیں۔ ان غیر یقینی حالات میں ایران کو ایک لیڈر مل گیا اور محبانِ وطن ہرمز کے خلاف انتہائی نفرت و حقارت کے باوجود ملک کی حفاظت کے لئے اُس کے گرد جمع ہو گئے۔ اس اولوالعزم لیڈر کا نام بہرام چوبین تھا اور وہ رے کے قدیم شاہی خاندان کا چشم و چراغ تھا۔

نوشیرواں کی فوج کے ایک جرنیل کی حیثیت سے بہرام نے رومیوں کے خلاف بعض معرکوں میں غیر معمولی جرأت و ہمت کا مظاہرہ کیا تھا۔ ملک کی حفاظت کا ذمہ لینے کے بعد اس دیو قامت انسان نے ایرانی عوام اور فوج میں ایک نئی روح پھونک دی۔ خاقان نے ایک لاکھ جنگجو ترکوں کے ساتھ دریائے جیحوں عبور کر لیا لیکن ایک کوہستانی علاقے میں پیش قدمی کرتے وقت اُسے ایرانی تیر اندازوں کے ہاتھوں تباہی کا سامنا کرنا پڑا اور ترک شدید نقصان اٹھانے کے بعد پسپا ہو گئے۔ لیکن ہرمز نے محسوس کیا کہ سلطنت کے اندر اُس کا ایک طاقتور حریف پیدا ہو گیا ہے۔ خوشامدی امراء نے اُس کے کان بھرے کہ بہرام نے مالِ غنیمت کا کچھ حصہ چھپا لیا ہے اور یہ ظالم اور بے وقوف حکمران اُسے نیچا دکھانے کی تجاویز سوچنے لگا۔

بہرام ترکوں کے خلاف لڑائی سے فارغ ہوا تو اُسے یہ اطلاع ملی کہ رومی افواج دریائے فرات کے کنارے پہنچ چکی ہیں۔ چنانچہ اُس نے کسی توقف کے بغیر پیش قدمی کی اور دریا کے کنارے پہنچ کر رومی سپہ سالار کو پیغام بھیجا

کہ یا تو مجھے دریا کے پار آنے دو یا خود اسے عبور کر کے میرے مقابلے میں آجاؤ۔ رومی لشکر کے سپہ سالار نے جواب میں کہلا بھیجا کہ میں تمہیں دریا کے پار آنے کا موقع دینے کو تیار ہوں۔ بہرام مکمل تیاریوں کے بغیر دریا عبور کرنے کو تیار نہ تھا۔ چنانچہ اُس نے مزید سپاہی اور جنگی سامان جمع کرنے میں کئی دن صرف کر دیئے۔ عوام اپنے بادشاہ سے نفرت کے باوجود ایک بہادر جرنیل کا ساتھ دینے کو تیار تھے اور وہ جوق در جوق ایرانی لشکر کے کیمپ میں جمع ہونے لگے، لیکن ہرمز بہرام کی بڑھتی ہوئی ہر دلعزیزی سے اِس قدر خائف ہو چکا تھا کہ اُسے ایران کی فتح یا شکست سے کوئی دلچسپی نہ رہی تھی۔ وہ ہر قیمت پر اُس سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ ایک دن مدائن سے ایک ایلچی بہرام کے پاس پہنچا اور اُس نے ایک اٹیرن اور نسوانی لباس پیش کرتے ہوئے کہا "شہنشاہ والا تبار کا حکم ہے کہ تم سپاہی کا لباس اُتار کر عورت کا لباس پہن لو اور یہ اٹیرن لے کر لشکر کے سامنے سے گزرو۔"

ہرمز اور اُس کے سازشی وزیروں کا خیال تھا کہ بہرام فوج کے سامنے اپنی یہ توہین برداشت کرنے کی بجائے مستعفی ہو کر بھاگ جائے گا لیکن اُس نے اپنے بادشاہ کے احمقانہ حکم کی تعمیل میں نسوانی لباس پہنا اور اٹیرن ہاتھ میں لے کر باری باری صف بستہ سپاہیوں کے سامنے سے گزرنے لگا۔ محبانِ وطن خون کے گھونٹ پی کر رہ گئے۔ اور بعض سر پھروں نے بادشاہ کے خلاف نعرے لگانے شروع کر دیئے، تاہم اپنے سپہ سالار کی فرمانبرداری دیکھ کر کسی کو علمِ بغاوت بلند کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔

ہرمز کو جب ان واقعات کی اطلاع ملی تو اُس نے دوسرے ایلچی کو یہ حکم دے کر بھیج دیا کہ بہرام کو پابہ زنجیر میرے سامنے حاضر کرو۔ اِس عرصے میں فوج کا پیمانۂ صبر لبریز ہو چکا تھا چنانچہ جب ایلچی بادشاہ کا حکم سنا رہا تھا تو سپاہیوں نے اُسے پکڑ لیا اور باندھ کر ہاتھی کے نیچے ڈال دیا۔ بہرام نے رومیوں سے جنگ کا ارادہ ترک کر کے مدائن کا رُخ کیا اور شاہی محافظوں کو موت کے گھاٹ اُتار کر شہر پر قبضہ کر لیا۔ اِس کے بعد باغی فوج نے اُن قید خانوں کے دروازے کھول دیئے جہاں سینکڑوں بے گناہ اپنے ظالم حکمران کی بدانجامی کا انتظار کر رہے تھے۔ جب باغی شاہی محل کے اندر داخل ہوئے تو رہائی پانے والے قیدی اُن کی اگلی صف میں تھے۔ ایک ساسانی شہزادے نے شکست خوردہ حکمران کو پکڑا اور محل سے باہر لا کر اُس قید خانے کی تنگ و تاریک کوٹھڑی میں دھکیل دیا جہاں وہ خود رہ چکا تھا۔

ہرمز کا بڑا بیٹا خسرو پرویز باغیوں کے حملے کے وقت شہر سے بھاگ گیا تھا۔ لیکن بعض امراء اُسے تخت پر

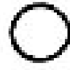
بٹھانے کا وعدہ کر کے واپس لے آئے۔ ہرمز پر مقدمہ چلایا گیا۔ شہنشاہ ایران مجرموں کے کٹہرے میں کھڑا تھا اور انصاف کی کرسیوں پر وہ لوگ رونق افروز تھے جنہیں بہرام نے قید خانوں سے نکالا تھا۔ بادشاہ نے عدالت کو متاثر کرنے کے لئے انتہائی عجز و انکسار کے ساتھ التجائیں کیں۔ پھر جب اُس نے دیکھا کہ امراء متاثر ہو رہے ہیں تو اچانک اپنا انداز بدل لیا اور دوسروں کو اپنی کوتاہیوں اور بداعمالیوں کا ذمہ دار ثابت کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ اپنے بڑے بیٹے خسرو پرویز پر مختلف الزامات عائد کرنے کے بعد اُس نے عدالت سے اپیل کی کہ اگر تمہیں میری حکومت پسند نہیں تو میں تخت و تاج سے دستبردار ہونے کو تیار ہوں لیکن میری آخری التجا یہ ہے کہ میری جگہ تم مزد خسرو پرویز کی بجائے میرے چھوٹے بیٹے کو اپنا حکمران تسلیم کر لو۔ امراء اس پر مشتعل ہو گئے، انہوں نے ہرمز کے چھوٹے بیٹے اور اُس کی ماں کو موت کے گھاٹ اتار کر اُن کی لاشیں بے حرمتی کے لئے عوام کے حوالے کر دیں۔ پھر گرم سلاخوں سے ہرمز کی آنکھیں نکلوا دیں اور پرویز کے سر پر تاج رکھ دیا۔

نئے حکمران نے کچھ عرصہ انقلابیوں کو خوش رکھنے کی کوشش کی۔ لیکن جب اُس کے پاؤں جم گئے تو وہ بہرام کے اثر و رسوخ سے چھٹکارا حاصل کرنے کی تدابیر سوچنے لگا۔ مجوسی کاہن اور امراء کو بھی یہ بات پسند نہ تھی کہ بہرام سلطنت کے سیاہ و سفید کا مالک بن جائے چنانچہ انہوں نے پرویز کو نسبتاً کمزور سمجھ کر اپنا مستقبل اُس سے وابستہ کر دیا۔ جب عوام کا جوش و خروش قدرے ٹھنڈا ہوا تو پرویز نے اپنے اندھے باپ کو قید خانے سے نکالا اور اپنے محل میں لے آیا۔ ہرمز کی زندگی کی ساری دلچسپیاں اب صرف اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل تک محدود تھیں۔ لیکن پرویز اُس کی ہر بات برداشت کرتا رہا۔

بہرام جس کے لشکر نے شہر کے باہر پڑاؤ ڈال رکھا تھا اس صورت حال سے خوش نہ تھا۔ ملک کو ہرمز کے مظالم اور بے اعتدالیوں سے نجات دلانے کے بعد اُسے امید تھی کہ عوام، امراء اور مجوسی کاہن اُسے کندھوں پہ اٹھا کر حکومت کی مسند تک لے جائیں گے لیکن اس انقلاب کے نتائج اُس کی توقعات کے سراسر خلاف تھے۔ وہ امراء جنہیں اُس نے قید و بند کی صعوبتوں سے نجات دلائی تھی اُس کا ساتھ چھوڑ کر پرویز کے گرد جمع ہو رہے تھے اور وہ بددیانت لوگ جنہیں اُس کے سپاہیوں نے قوم اور ملک کے بدخواہ سمجھ کر قید میں ڈالا تھا رہا کئے جا رہے تھے۔ اور عوام جو اپنے مذہبی پیشواؤں کے اشاروں پر چلنے کے عادی تھے اُسے بھلا چکے تھے۔ چنانچہ حالات اس قدر بگڑ گئے کہ پرویز اور بہرام کھلے بندوں

دوسرے کے سامنے آ گئے۔ پرویز اپنے محافظ دستوں اور مدائن کے عوام کو میدان میں لے آیا لیکن اُسے بہرام کے آزمودہ کار سپاہیوں کے مقابلے میں شکست ہوئی اور متلون مزاج اُمراء اُس کا ساتھ چھوڑ کر بہرام سے جا ملے۔ شاہی خاندان کا ایک با اثر آدمی جو بہرام کا ساتھ چھوڑ کر پرویز کا حلیف بن گیا تھا۔ پرویز کی شکست کے بعد میدان سے بھاگ کر شاہی محل میں داخل ہوا اور اپنی ذات کو بہرام کی نظرِ عنایت کا مستحق ثابت کرنے کے لئے اُس نے ہرمز کا سر قلم کر دیا۔ پرویز شکست کھانے کے بعد تیس وفادار ساتھیوں، چند لونڈیوں اور خواجہ سراؤں کے ہمراہ دریائے فرات کے کنارے کنارے سفر کرتا ہوا بازنطینی سرحد کے اندر داخل ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ اور ایک سرحدی چوکی کے افسر نے اُسے اپنی پناہ میں لے لیا۔

پرویز نے روم کے نئے شہنشاہ موریس کے دربار میں اپنے ایلچی بھیج کر قسطنطنیہ پہنچنے کی اجازت مانگی، موریس نے اُس کے لئے ایک تاج اور چند قیمتی تحائف روانہ کر دیئے اور ساتھ ہی پیغام بھیجا کہ "تمہیں ہماری اعانت حاصل کرنے کے لئے قسطنطنیہ آنے کی ضرورت نہیں۔ ہم تمہاری مدد کے لئے اپنی فوجیں بھیج رہے ہیں۔ اور جب تک تم اپنا کھویا ہوا تخت دوبارہ حاصل نہیں کر لیتے ہمارے سپاہی اپنی تلواریں نیاموں میں نہیں ڈالیں گے۔"



بہرام، پرویز کو شکست دینے کے بعد ملک کی زمام کار اپنے ہاتھ میں لے چکا تھا لیکن اُسے اطمینان سے حکومت کرنے کا موقع نہیں ملا۔ اہل مدائن اُسے اجنبی سمجھتے تھے۔ بہرام نے انہیں سختی سے دبانے کی کوشش کی اور مدائن کے قید خانے ان لوگوں سے بھر دیئے جنہیں ابھی تک شاہی خاندان سے عقیدت تھی۔ مجوسی کاہن جو نوشیرواں کے خاندان کا اقتدار بحال کرنے میں اپنا ذاتی فائدہ دیکھتے تھے عوام کو بھڑکا رہے تھے۔ چنانچہ جب خسرو پرویز رومی لشکر کے ساتھ دریائے دجلہ کے کنارے نمودار ہوا تو اہلِ مدائن جوق در جوق اُس کے جھنڈے تلے جمع ہونے لگے۔

مدائن کے عوام کی متلون مزاجی، اُمراء کی بدعہدی اور مجوسی کاہنوں کی سازشوں سے پریشان ہو کر بہرام نے مدائن سے باہر نکل کر پرویز کا راستہ روکنے کی کوشش کی لیکن اُسے یکے بعد دیگرے دو معرکوں میں شکست کھانے کے بعد جیحوں کے مشرق کی طرف بھاگنا پڑا۔ اُس نے خاقانِ ترک کے پاس پناہ لی۔ یہ وہی خاقان تھا جسے کچھ عرصہ قبل

بہرام کے ہاتھوں عبرتناک شکست ہوئی تھی لیکن اُس نے ایک بہادر دشمن کی دلجوئی اور عزت افزائی اپنا فرض خیال کیا خاقان کی بیوی مدائن کے شاہی خاندان سے تعلق رکھتی تھی اور اُس نے بہرام کا زندہ رہنا پرویز کے مستقبل کے لئے خطرناک سمجھ کر اُسے زہر دے دیا۔

بہرام کی موت ایک محب وطن اور بہادر سپاہی کی موت تھی۔ خسرو پرویز رومی تلواروں کی چھاؤں میں ایران کے تخت پر بیٹھا تھا اور اِس کے عوض وہ آرمینیا کا تقریباً سارا علاقہ رومیوں کے حوالے کر چکا تھا۔ اب بازنطینی سلطنت کی سرحد طفلس تک پہنچ چکی تھی۔ تاہم ایران کے امرا اور مجوسی پیشوا اس بات پر مطمئن تھے کہ خسرو پرویز بہرام کی نسبت کمزور ہے اور وہ اس کی کمزوری سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ مدائن کے عوام کی یہ حالت تھی کہ وہاں جو خوشیاں کچھ عرصہ قبل ہرمز کی شکست اور بہرام کی فتح کے وقت منائی گئی تھیں اُس سے کہیں زیادہ بہرام کی شکست اور خسرو پرویز کی تخت نشینی پر منائی جا رہی تھیں۔

لیکن اُن کی یہ خوشیاں عارضی ثابت ہوئیں۔ پرویز نے اطمینان کا سانس لیتے ہی آنکھیں بدل لیں اور ایران میں ظلم و تشدد کا ایک نیا دور شروع ہو گیا۔ ایک ہزار رومی سپاہی پرویز کے محل پر پہرہ دیتے تھے اور بہرام کی شکست اور موت کے بعد اُسے کسی اندرونی بغاوت کا خطرہ نہ تھا۔ اب وہ اپنی متلون مزاج رعایا کو سزائیں دینے میں پوری طرح آزاد تھا۔ رومی سپاہیوں کے ساتھ عیسائی پادریوں کا ایک گروہ بھی مدائن میں موجود تھا اور یہ لوگ ایران کے آتش پرست حکمران کو عیسائیت کی طرف مائل کرنے کے لئے کوشاں تھے۔ ایران میں عیسائیت کے مستقبل کے متعلق ان لوگوں کے پُرامید ہونے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ پرویز کی چہیتی ملکہ[1] عیسائی تھی۔ مجوسی مذہب کے پیشوا اس صورتِ حال سے بے حد پریشان تھے اور نئے حکمران کو اپنے اسلاف کے مذہب پر قائم رکھنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے

---

۱ - اس عیسائی بیوی کا نام شیریں تھا اور بعض روایت کے مطابق یہ شہنشاہ موریس کی بیٹی یا بھتیجی تھی اور پرویز نے اُس کے حسن و جمال سے متاثر ہو کر اُس کا نام شیریں رکھ دیا تھا۔ لیکن اکثر مورخین اِس روایت کو تسلیم نہیں کرتے اُن کا خیال ہے کہ شیریں آرمینیا کے کسی عیسائی خاندان سے تعلق رکھتی تھی —— یہ شیریں وہی ہے جس کے ساتھ فرہاد کے عشق کا قصہ مشہور ہے۔

تھے۔ نوجوان حکمران کے دل میں عیسائیت کے لئے کوئی جگہ نہ تھی وہ صرف اپنے رومی حلیفوں کو خوش رکھنے کے لئے کبھی کبھی عیسائی مبلغین کی باتیں سن لیتا تھا۔ تاہم اہلِ روم بہرام پر پرویز کی فتح کو اپنی فتح خیال کرتے تھے۔

لیکن یہ حالات اچانک بدل گئے۔ قسطنطنیہ میں شاہ ایران کے سرپرست شہنشاہ موریس کے خلاف ایک عام بغاوت ہو گئی اور ایک فوجی رہنما فوکاس نے قسطنطنیہ پر قبضہ کر کے موریس اور اُس کے پانچ بیٹوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ موریس کا چھٹا بیٹا تھیوڈوسیس فوکاس کے ہاتھوں بچ نکلا اور پرویز سے مدد لینے کے لئے مدائن کی طرف بھاگا لیکن فوکاس کے آدمیوں نے اُسے راستے میں گرفتار کر کے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ موریس کی بیوی کو کچھ عرصہ قیدی بنا کر ایک خانقاہ میں رکھا گیا لیکن اُس نے اپنے شوہر اور بیٹوں کا انتقام لینے کے لئے خانقاہ سے فرار ہونے کی کوشش کی اور فوکاس نے اُسے بھی قتل کرا دیا۔

ایران میں ان واقعات کی اطلاع پہنچی تو مجوسی مذہب کے پیشواؤں نے محسوس کیا کہ اہلِ روم کو نیچا دکھانے کا یہ بہترین موقعہ ہے۔ انہوں نے پرویز کو غیرت دلائی کہ فوکاس نے تمہارے محسن کو قتل کیا ہے اور اس سے انتقام لینا تم پر فرض ہے۔ پرویز کو ملک گیری کی ہوس اپنے اسلاف سے ورثے میں ملی تھی اور موریس سے ہمدردی محض ایک بہانہ تھا۔ چنانچہ بازنطینی سلطنت میں اندرونی خلفشار کے آثار دیکھتے ہی اُس نے اپنی افواج کو پیش قدمی کا حکم دے دیا۔

اہلِ روم فوکاس کے مظالم سے دل برداشتہ ہو چکے تھے اس لئے وہ کسی محاذ پر بھی ایرانی لشکر کا مقابلہ نہ کر سکے۔ چنانچہ ایرانیوں نے کسی قابلِ ذکر مزاحمت کا سامنا کئے بغیر آرمینیا پر قبضہ کر لیا۔ پھر چند ماہ بعد خسرو پرویز کی فوج شام کے شمال مشرقی علاقوں کو تاخت و تاراج کرتی ہوئی انطاکیہ کی طرف بڑھی۔ یہ شہر ایشیائی ممالک میں قیصر کے نائب السلطنت کا دارالحکومت تھا اور ماضی میں کئی بار ایرانیوں کے ہاتھوں تباہی کا سامنا کر چکا تھا۔ لیکن وحشت و بربریت کا یہ طوفان جس کے دروازے خسرو پرویز نے کھولے تھے ماضی کے تمام طوفانوں سے زیادہ بھیانک تھا۔ اس سیلِ ہمہ گیر کے سامنے رومیوں کے دفاعی حصار تنکوں کے انبار ثابت ہو رہے تھے۔

فوکاس نے بازنطینی سلطنت کے لئے وہی حالات پیدا کر دیئے تھے جو چند سال قبل ہرمز نے ایران کے لئے پیدا کئے تھے۔ اور جب اندرونی خلفشار کے ساتھ بیرونی جارحیت انتہائی خطرناک نتائج پیدا کرنے لگی تو ایرانیوں کی طرح رومیوں نے بھی اپنے ظالم اور نااہل حکمران کے خلاف بغاوت کر دی۔ قسطنطنیہ کے امراء اور مذہبی پیشواؤں نے افریقی

مقبوضات کے گورنر کو قسطنطنیہ کے تخت پر قبضہ کرنے کی دعوت دی، لیکن عمر رسیدہ گورنر نے اپنی جگہ اپنے نوجوان بیٹے ہرقل کی خدمات پیش کر دیں۔ ہرقل کی قیادت میں ایک جنگی بیڑہ قرطاجنہ سے قسطنطنیہ کی طرف روانہ ہوا اور باقی لشکر خشکی کے رستے چل پڑا۔ جب ہرقل کا جنگی بیڑا آبنائے باسفورس میں داخل ہوا تو قسطنطنیہ کے باشندوں نے مسرت کے نعروں سے اُس کا خیر مقدم کیا۔ فوکاس کے محافظ جنہیں وفادار رکھنے کے لئے اُس نے خطیر رشوتیں دی تھیں، افریقہ اور مصر کے منظم لشکر کا مقابلہ نہ کر سکے۔

فوکاس کو پابہ زنجیر ہرقل کے سامنے لایا گیا اور وہ سخت اذیتوں کے بعد قتل کر دیا گیا۔

ہرقل تخت پر رونق افروز ہوا لیکن اس کے ساتھ ہی قسطنطنیہ کی گلیوں اور بازاروں میں خوشیاں منانے والے عوام گرجوں میں دعائیں مانگنے والے راہب اور نئے حکمران کے دربار میں نذرانے پیش کرنے والے امراء یہ سن رہے تھے کہ پرویز کی فوجیں انطاکیہ پر قابض ہو چکی ہیں اور وہاں فرزندانِ تثلیث کے گرجے آتشکدوں میں تبدیل کئے جا رہے ہیں۔

باب ۱۳

موسم سرما کی ایک رات آسمان پر تاریک بادل چھائے ہوئے تھے اور ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی۔ ایک سوار فرس کی سرائے کے قریب گھوڑے سے اترا اور اُس نے آگے بڑھ کر دروازے پر دستک دی۔ چند ثانیے کوئی جواب نہ آیا۔ پھر صحن میں قدموں کی آہٹ سنائی دی اور کسی نے دروازے کے قریب پہنچ کر سوال کیا۔

"آپ یروشلم سے آئے ہیں؟"

"ہاں" اجنبی نے جواب دیا۔

پوچھنے والے نے دروازہ کھول دیا اور اجنبی اپنے گھوڑے سمیت اندر داخل ہوا۔ سرائے کے ملازم نے پوچھا "آپ کے ساتھی کہاں ہیں؟"

اجنبی نے جواب دیا "میرا کوئی ساتھی نہیں۔ میں یہ رات یروشلم میں گزارنا چاہتا تھا لیکن مجھے معلوم نہ تھا کہ وہاں شام ہوتے ہی شہر کے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔"

"تو آپ کو کسی رومی افسر نے یہاں نہیں بھیجا؟"

"نہیں! ــــ"

"ٹھہریئے! میں ابھی آتا ہوں۔" ملازم یہ کہہ کر بھاگ گیا اور اجنبی آگے بڑھ کر چھپر کے نیچے کھڑا ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد ایک آدمی جس کے ہاتھ میں مشعل تھی اپنے دو نوکروں کے ساتھ برآمدے میں نمودار ہوا اور اُس نے آگے بڑھ کر اجنبی سے سوال کیا "آپ یروشلم کی طرف سے آئے ہو؟"

"ہاں! مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کو بے وقت تکلیف دے رہا ہوں۔ لیکن شہر کے دروازے بند تھے۔"

"تمہیں راستے میں کوئی اور مسافر تو نہیں ملا؟"

"نہیں! یروشلم سے آگے یہاں تک تمام راستہ سنسان تھا۔"

فرمس نے کہا "مجھے افسوس ہے کہ سرائے مسافروں سے بھری ہوئی ہے اور میں تمہارے لئے کوئی تسلی بخش انتظام نہیں کر سکتا۔ آج بارش کی وجہ سے غزہ کا ایک قافلہ یہاں رُک گیا تھا۔"

اجنبی نے جواب دیا "مجھے یقین ہے کہ آپ مجھے اس بارش میں سڑک پر آرام کرنے کا مشورہ نہیں دیں گے۔ آپ نے مجھے پہچانا نہیں۔ میں پہلے بھی یہاں ٹھہر چکا ہوں۔ اگر آپ کے پاس سرائے کے اندر کوئی جگہ نہیں تو میں اصطبل میں گزارا کر سکتا ہوں۔ اگر کھانا نہ ہو تو بھوکا بھی رہ سکتا ہوں۔ لیکن میرے گھوڑے کے لئے آپ کو جَو کے ایک ٹوکرے اور گھاس کے ایک گٹھے کا انتظام ضرور کرنا پڑے گا۔"

سرائے کے مالک نے آگے بڑھ کر مشعل اونچی کی اور غور سے اجنبی کی طرف دیکھ کر چلایا "عاصم! بھائی مجھے معاف کرنا۔ اس وقت میرا خیال کہیں اور تھا۔ تمہارے لئے میں تمام سرائے خالی کرا سکتا ہوں۔"

پھر وہ نوکروں کی طرف متوجہ ہوا "بیوقوفو! کھڑے کیا دیکھ رہے ہو گھوڑا اصطبل میں لے جاؤ۔ اور ان کا کھانا اوپر کے کمرے میں پہنچا دو۔"

عاصم نے کہا "نہیں نہیں، اس وقت میں کھانا نہیں کھاؤں گا۔ صبح دیکھا جائے گا مجھے افسوس ہے کہ میں نے آپ کو بے وقت تکلیف دی ہے۔"

فرمس نے اُس کا ہاتھ پکڑ کر کہا "آؤ! تم نے مجھے کوئی تکلیف نہیں دی۔ میں کسی کا منتظر تھا۔ اور ان کے لئے میں نے کھانا بھی تیار کروا رکھا تھا۔ اب وہ نہیں آئے تو خدا نے تم کو بھیج دیا ہے۔"

عاصم فرمس کے ساتھ چل دیا اور تھوڑی دیر بعد وہ بالائی منزل کے اُس کشادہ کمرے میں داخل ہوئے جہاں عاصم نے چند ماہ قبل ایک رات قیام کیا تھا۔ لیکن اب یہ کمرہ پہلے کی طرح آراستہ نہ تھا۔ خوشنما قالین اور پردے غائب تھے۔ دو پلنگوں پر صاف ستھرے بستر لگے ہوئے تھے۔ اور اُن کے درمیان ایک چھوٹی سی میز اور چار کرسیاں پڑی تھیں۔ سامنے انگیٹھی میں آگ سلگ رہی تھی اور دائیں بائیں دو طاقوں میں چراغ روشن تھے۔

فرمس نے کہا "آج سردی بہت زیادہ ہے اور میں نے آگ یہاں اس لئے جلائی تھی کہ یروشلم سے آنے والے مہمانوں کو تکلیف نہ ہو۔ اب مجھے یہ توقع نہیں کہ وہ اس موسم میں سفر کریں گے۔ لیکن اگر وہ آگئے تو مجھے تمہارے لئے دوسرا انتظام کرنا پڑے گا۔ میرا رہنے کا مکان خالی پڑا تھا لیکن شام کے وقت ایک قافلہ پہنچ گیا اور میں نے دو کمرے بارش میں ٹھٹھرے ہوئے مسافروں کے حوالے کر دیئے۔ اب میرے پاس ایک چھوٹی سی کوٹھڑی ہے۔ اگر کوئی آگیا تو میں آپ کو وہاں لے جاؤں گا۔"

عاصم نے کہا "آپ کو میرے متعلق اس قدر پریشان نہیں ہونا چاہیئے میں زمین پر سونے کا عادی ہوں۔ آج مجھے صرف بارش سے بچنے کے لئے چھت کی ضرورت ہے۔"

فرمس نے جواب دیا "لیکن پچھلے پہر خراٹے سن کر تم یہ محسوس کرو گے کہ چھت گر رہی ہے۔ انطونیہ کہا کرتی تھی کہ میرے خراٹوں سے بیک وقت پانچ آوازیں نکلتی ہیں۔"

عاصم نے پوچھا "اب وہ یہاں نہیں ہیں؟"

"نہیں! وہ پچھلے ہفتے اپنی ماں کے ساتھ اسکندریہ چلی گئی۔ اگر دمشق کی طرف ایرانیوں کی پیش قدمی رک گئی تو وہ واپس آجائیں گی ورنہ شاید مجھے بھی یہاں سے بھاگنا پڑے۔"

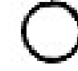
عاصم نے کہا "میں نے راستے میں اس قسم کی افواہیں سنی تھیں کہ ایرانیوں کی پیش قدمی کے باعث یروشلم اور شام کے دوسرے شہروں کے لوگ اسکندریہ اور قسطنطنیہ کا رُخ کر رہے ہیں۔"

فرمس نے جواب دیا "یہ افواہیں نہیں۔ انطاکیہ پر ایرانیوں کے قبضے کے بعد رومی اُمراء نے اپنے بال بچوں کو شام کے دوسرے شہروں سے نکالنا شروع کر دیا تھا۔ پھر جب ایرانیوں نے مزید پیش قدمی کی تو شام کے خوشحال لوگ بھی اپنے گھربار چھوڑ کر بھاگنے لگے اور اب تو یہ حال ہے کہ عوام کے قافلے بھی اسکندریہ اور مصر کے دوسرے شہروں کا رُخ کر رہے ہیں۔"

عاصم نے پوچھا "آپ جن مہمانوں کا انتظار کر رہے تھے وہ کون ہیں؟"

"مجھے صرف اتنا معلوم ہے کہ وہ انتہائی معزز خواتین کو دمشق پہنچنے کے لئے میری مدد کی ضرورت ہے۔ تم طیطوس جانتے ہو پچھلی مرتبہ میری سرائے میں اُس سے تمہاری ملاقات ہوئی تھی۔ اُس نے مجھے یہ پیغام بھیجا تھا کہ وہ رات کے یہاں قیام کریں گی۔ پھر مجھے ان کو دمشق تک پہنچانے کا بندوبست کرنا ہوگا۔ اگر رات کے وقت کسی نے اُن کا پیچھا [illegible]ال جائے گی پھر میرا یہ کام ہوگا کہ ایک دو دن انہیں یہاں چھپائے رکھوں۔ یہ خواتین کون ہیں؟ یہ بات مجھے

پہنچ گیا۔ معما ہے لیکن پطیوس ایک ایسا دوست ہے جس کی خاطر میں بڑے سے بڑا خطرہ مول لے سکتا ہوں۔ اب میں کچھ دیر اور اُن کا انتظار کرنا چاہتا ہوں۔ نوکر تمہارے لئے کھانا اور کپڑوں کا جوڑا لے آئے گا۔ میرا لباس تمہارے جسم پر عجیب معلوم ہوگا لیکن تمہارے لئے بھیگے ہوئے کپڑے تبدیل کرنا ضروری ہیں۔" فرمس یہ کہہ کر کمرے سے باہر نکل گیا۔



عاصم کھانا کھانے کے بعد آگ کے سامنے بیٹھا اپنے کپڑے سکھا رہا تھا۔ فرمس دوبارہ کمرے میں داخل ہوا اور اُس نے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔ "اب ایک پہر سے زیادہ رات گزر چکی ہے اور بارش بھی خاصی تیز ہوگئی ہے ان حالات میں مجھے دو عورتوں کا یروشلم سے یہاں پہنچنا بعید از قیاس معلوم ہوتا ہے۔ اب اگر تمہیں نیند نہ آگئی تو ہم اطمینان سے باتیں کر سکتے ہیں۔"

عاصم نے جواب دیا۔ "آپ سے باتیں کرتے ہوئے مجھے نیند یا تھکاوٹ محسوس نہ ہوگی۔"

فرمس نے کہا۔ "میرے لئے اس سے بڑی خوشی اور کیا ہو سکتی ہے کہ تم یہاں آئے ہو۔ آج میں یہ سوچ رہا تھا کہ میں نے اپنی بیوی اور بیٹی کو بھیج کر غلطی کی ہے مجھے اُن کے ساتھ جانا چاہیئے تھا لیکن اب میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ میرے یہاں رُک جانے میں بھی قدرت کی ایک مصلحت تھی۔ میرے ایک محسن کو یہاں آنا تھا اور خدا کو یہ منظور نہ تھا کہ وہ رات کے وقت یہاں پہنچے اور اُس کے راستے میں آنکھیں بچھانے والا کوئی نہ ہو۔ لیکن تم تنہا آئے ہو اور ان دنوں بڑے بڑے قافلے بھی شام کا رُخ کرتے ہوئے خوف محسوس کرتے ہیں۔ تم بہت کمزور ہو گئے ہو اور تمہارا چہرہ یہ بتا رہا ہے کہ تم کانٹوں پر چل کر یہاں پہنچے ہو۔ پچھلی مرتبہ جب تم یہاں آئے تھے تو تمہیں تلوار سے زیادہ کسی چیز کی ضرورت نہ تھی لیکن آج مجھے تمہارے سامان میں تلوار نظر نہیں آئی۔ عاصم میرے اَن گنت سوالات کا جواب تمہارے چہرے پر لکھا ہوا ہے۔ لیکن پھر بھی میں تمہاری زبان سے تمہاری سرگزشت سننا چاہتا ہوں۔ میں تھوڑی دیر کے لئے کمرے سے باہر اس لئے نکل گیا تھا کہ تم اطمینان سے کھانا کھا سکو اور میرے سوالات تمہیں پریشان نہ کریں۔ میزبان کے آداب مجھے تم سے ایسی باتیں پوچھنے سے منع کرتے ہیں جن کا جواب دینا ایک مہمان کے لئے تکلیف دہ ہو۔ لیکن میں تمہارا دوست ہوں۔ اور یہ پوچھے بغیر نہیں رہ سکتا کہ تم کن حالات میں گھر سے نکلے ہو، تمہاری منزلِ مقصود کہاں ہے؟ اور میں تمہاری کیا مدد کر سکتا ہوں؟"

عاصم کچھ دیر سر جھکائے سوچتا رہا۔ بالآخر اُس نے فرمس کی طرف دیکھا اور کہا۔ "آپ یہ سمجھ لیجئے کہ میرے وطن کی زمین میرے لئے تنگ ہو چکی ہے۔ اور میں اپنے مقدر کی تاریکیوں سے پیچھا چھڑانے کے لئے بھاگ رہا ہوں۔ عرب کی حدود سے نکلنے کے بعد اس سرائے سے آگے میری کوئی منزل نہ تھی اور اب اس کمرے سے باہر میرے لئے ساری دنیا تاریک ہے۔"

فرمس نے پوچھا۔ "کیا لڑائی میں تمہارے دشمن غالب آگئے تھے؟"

"میں نے جس وطن کو چھوڑا ہے وہاں میرا کوئی دوست یا دشمن نہ تھا۔ میرا گناہ یہ ہے کہ میں محبت اور انتقام کی لذت سے محروم ہو چکا ہوں اور آپ کے پاس اس لئے آیا ہوں کہ اس محرومی کے باوجود زندہ رہنا چاہتا ہوں۔"

"تم مجھے اپنی سرگزشت سنا سکتے ہو؟"

وطن سے نکلنے کے بعد یہ پہلا انسان تھا جو عاصم کو اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرنے کی دعوت دے رہا تھا۔ اب اُسے اپنی نیند یا تھکاوٹ کا کوئی احساس نہ تھا۔ اُس نے احسان مندی کی نظر سے فرمس کی طرف دیکھا اور کسی توقف کے بغیر اپنی سرگزشت سنانی شروع کر دی۔

جب وہ سمیرا اور عدی اور اُس کے بیٹوں کی موت کے واقعات سنا رہا تھا تو اُس کی آنکھوں میں آنسو چھلک رہے تھے پھر جب اُس نے اپنا قصہ ختم کیا تو فرمس نے اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "عاصم! تم آلام و مصائب کی اس دنیا میں تنہا نہیں ہو۔ آج پوری انسانیت اپنے مقدر کی تاریکیوں سے پیچھا چھڑانے کے لئے بھاگ رہی ہے۔ میں دس برس کا تھا جب میرے باپ کو اسکندریہ کے راہبوں نے صرف اِس لئے زندہ جلا دیا کہ اُس نے عیسائی ہوتے ہوئے رہبانیت کی مخالفت میں آواز بلند کی تھی۔ دو سال بعد میرے بڑے بھائی کو رومی حکومت کے مظالم کے خلاف آواز اٹھانے کے جرم میں، بابلیون کے ایک چوراہے پر پھانسی دی گئی۔ اس کے بعد میں قریباً آٹھ سال کبھی مصر، کبھی شام اور کبھی آرمینیا کی خاک چھانتا رہا۔ میرا دل نفرت و انتقام کے جذبات سے لبریز تھا لیکن رفتہ رفتہ زندہ رہنے کی خواہش میرے جذبات پر غالب آگئی۔ میں نے محسوس کیا کہ میں ایک بے بس انسان ہوں اور زمانے کی گردش کا رخ بدل دینا میرے اختیار میں نہیں۔ میں صرف کلیسا کی فرمانبرداری اور حکومت کی اطاعت کر کے زندہ رہ سکتا ہوں، پھر میں نے اسکندریہ کی ایک سرائے میں ملازمت کر لی۔ سرائے کا مالک ایک شریف آدمی تھا اُس نے میری محنت اور دیانتداری کی قدر کی اور دو سال بعد مجھے اپنے کاروبار میں حصہ دار بنا لیا۔ اسی سال ایک شریف خاندان

کی لڑکی سے میری شادی ہو گئی۔ اگلے سال سرائے کا مالک مر گیا چونکہ اُس کے کوئی اولاد نہ تھی اس لئے اُس کے بھائی اُس کی جائداد کے وارث بن گئے۔ اور میں نے اُن سے الجھنے کی بجائے علیحدہ تجارت شروع کر دی۔ میرے پاس زیادہ سرمایہ نہ تھا لیکن میری بیوی کے بھائی نے میری مدد کی اور میں جلد ہی اپنے پاؤں پر کھڑا ہو گیا۔ پھر ایک سال مجھے تجارت کے سلسلہ میں یروشلم آنا پڑا۔ ہمارا قافلہ گرمیوں کی دوپہر گزارنے کے لئے اس جگہ اتر پڑا۔ ان دنوں یہ پرانی عمارت خالی پڑی تھی اور سڑک کے دوسری طرف صرف نانبائی کی ایک دوکان تھی۔ ہم نے وہاں کھانا کھایا اور نانبائی سے گفتگو کے دوران میں مجھے یہ معلوم ہوا کہ یہ عمارت ایک قدیم سرائے ہے جو کئی بار اُجڑی اور کئی بار آباد ہوئی ہے۔ چند سال قبل ڈاکوؤں نے یہاں ایک قافلے کو لوٹ کر سرائے کے مالک کے ایک بیٹے کو قتل کر دیا تھا۔ اُس وقت سے یہ سرائے بند پڑی تھی اور اس کا موجودہ وارث جو اب یروشلم کا ایک بہت بڑا تاجر ہے، اس کے قریب سے گزرنا بھی پسند نہیں کرتا۔ مجھے یہ جگہ پسند آگئی اور میں نے نانبائی سے اس کے مالک کا پتا پوچھ لیا۔

اگلے ہی دن اس کے مالک سے میرا سودا ہو گیا۔ اُس نے جو قیمت مانگی وہ میری توقع سے بہت ہی کم تھی۔ اس عمارت کی حالت بے حد خراب تھی۔ لیکن مجھے توقع تھی کہ اس کی مرمت پر جو رقم صرف ہو گی وہ رائیگاں نہیں جائے گی۔ یہ کمرہ میں نے بذاتِ خود بڑی حیثیت کے لوگوں کے لئے تعمیر کرایا تھا۔ میں ایک سال تک اسکندریہ نہ جا سکا لیکن اس عرصہ میں میرا کاروبار اس قدر ترقی کر چکا تھا کہ پڑوس کے نانبائی نے اپنی دوکان بند کر کے میرے ہاں ملازمت کر لی۔ لیکن اس دنیا میں زندہ رہنے کے لئے صرف ایک منفعت بخش تجارت ہی کافی نہ تھی۔ میں یہ جانتا تھا کہ ماضی کے تاریک سائے اب بھی میرا پیچھا کر رہے ہیں اور حکومت کے کسی ادنیٰ عہدہ دار کلیسا کے کسی معمولی راہب کی ناراضگی میری تباہی کا باعث ہو سکتی ہے۔ میرے خلاف ان دو جابر اور بے رحم طاقتوں کو حرکت میں لانے کے لئے کسی دشمن کا یہ کہہ دینا ہی کافی ہے کہ میرا باپ کلیسا اور میرا بھائی حکومت کا باغی تھا۔ چنانچہ میں اپنی کمائی کا ایک حصہ حکومت کے اہلکاروں اور کلیسا کے اکابر کی دوستی خریدنے پر صرف کیا کرتا ہوں۔ اگر وہ اس طرف سے گزریں تو میری کوشش یہ ہوتی ہے کہ چند ساعت وہ میرے پاس قیام کریں اور میں اُن کی خدمت کروں۔ اگر وہ میرے پاس نہیں آتے تو میں خود تحائف لے کر اُن کی خدمت میں پہنچ جاتا ہوں۔ ایک مرتبہ یروشلم کا بشپ صرف پانی پینے کے لئے یہاں رُکا تھا لیکن میں نے چاندی کے برتنوں میں اُسے کھانا کھلایا اور پھر یہ برتن اُسے بطور نذرانہ پیش کر دیئے۔ دوسری مرتبہ وہ یہاں آیا تو میں نے عرض کیا کہ میرا آبائی

وطن بابلیون ہے لیکن میں وہاں صرف اس لئے نہیں جا سکتا کہ میرے باپ اور بھائی کی بعض غلطیوں کے باعث وہاں کلیسا اور حکومت سے میری وفاداری کے متعلق بھی شکوک پیدا ہو چکے ہیں۔ میرے حال پر وہ اس قدر مہربان ہوا کہ مجھے بابلیون کے بشپ کے نام ایک خط لکھ کر دے گیا۔ اس خط کا مفہوم یہ تھا کہ ہم نے کسی مصری کو فرمس سے زیادہ رومی سلطنت کا وفادار اور کلیسا کا جاں نثار نہیں دیکھا۔ اگر بابلیون میں اس نیک مخلص اور ایثار پیشہ آدمی کے متعلق کوئی غلط فہمی پائی جاتی ہے تو اسے دور کرنا آپ کا فرض ہے۔ پھر میں بابلیون گیا اور وہاں کے بشپ کو یہ خط اور اپنی طرف سے سونے کا ایک پیالہ پیش کیا۔ اور اس کے بعد میری ماضی کی ساری سیاہی دُھل چکی تھی۔ میرا آبائی مکان جو حکومت نے ضبط کر لیا تھا مجھے واپس مل چکا ہے۔ بطیوس کو میں نے اچھی قسم کی شراب پیش کی تھی اور اس کے بعد سے وہ میرا دوست ہے۔

تم مجھے ایک دوست سمجھ کر یہاں آئے ہو اور میں تم سے یہ باتیں اس لئے کر رہا ہوں کہ تمہیں میرے متعلق کوئی خوش فہمی نہ رہے۔ ظاہری اعتبار سے میں ایک کامیاب آدمی ہوں لیکن امن اور سکون کی زندگی اختیار کرنے کے بعد میں نے ہر قدم پر یہ محسوس کیا ہے کہ میرا ضمیر مر چکا ہے۔ میں نے صرف اپنے جسم کی آسائش کے سامان فراہم کئے ہیں لیکن میری روح تاریکیوں میں بھٹک رہی ہے۔ میں ظلم، جہالت، وحشت اور بربریت کے خلاف اپنے ضمیر کی چیخیں سنتا ہوں لیکن ظالموں کو خوش رکھنے کے لئے مسکرانے کی کوشش کرتا ہوں۔ جب میں مرنا چاہتا تھا تو میری روح زندہ تھی۔ میں نیک و بد کے متعلق اپنے جذبات کا اظہار کر سکتا تھا۔ اور جب میں نے زندہ رہنا ہی زندگی کا مقصد بنا لیا تو میں اس دنیا میں ایک انسان کا حقیقی مقام کھو چکا تھا۔

میں رومیوں کی غلامی کو ایک لعنت سمجھتا ہوں لیکن میں نے ہر رومی کو یہ احساس دلانے کی کوشش کی ہے کہ میں تمہیں انسانیت کا محسن خیال کرتا ہوں۔ مجھے کلیسا کے اُن خداؤں سے نفرت ہے جنہوں نے خانقاہوں کو زندہ انسانوں کا قبرستان بنا دیا ہے لیکن مجھ میں یہ حوصلہ نہیں کہ اُن کے خلاف زبان کھول سکوں۔

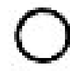
— —

میں نے یہ راستہ اس لئے اختیار کیا تھا کہ میں ایک کمزور انسان تھا لیکن تم مجھ سے مختلف ہو۔ تمہارے متعلق میں یہ جانتا ہوں کہ تم طوفانوں سے لڑنے کے لئے پیدا ہوئے ہو۔ تم زیادہ عرصہ ایک خاموش اور پرسکون زندگی پر قانع نہیں رہ سکو گے۔ پچھلی مرتبہ جب تم اس سرائے میں اُس دیو قامت شامی پر ٹوٹ پڑے تھے تو میں بار بار یہ سوچتا تھا کاش میری زندگی میں بھی چند ایسے لمحات آ سکتے۔ میرا مطلب یہ نہیں کہ میں خونخواری کو پسند کرتا ہوں۔ مجھے

ہماسے نفرت ہے لیکن میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ جب کسی ظالم کی مخالفت یا کسی مظلوم کی حمایت میں اپنا خون اور گوشت پیش کر دینے کے سوا اور کوئی چارہ نہ رہے تو ایک انسان کے لئے اس سے بڑی ذلت اور کیا ہو سکتی ہے کہ اُس کا ہاتھ اپنی تلوار کے قبضے تک نہ پہنچ سکے اور اُس کے ضمیر کی آواز اُس کے ہونٹوں تک نہ آسکے لیکن میں کئی بار اس قسم کی ذلتیں دیکھ چکا ہوں۔ اور آج جب میں اپنے سامنے ایک ایسے نوجوان کو دیکھتا ہوں جس کے ضمیر کی آواز نے اُسے اپنے دشمنوں کی حمایت میں تلوار اٹھانے پر آمادہ کر دیا تھا تو مجھے اپنی کمزوری پر شرم و ندامت محسوس ہوتی ہے۔ عاصم! تم بہت بڑا صدمہ اٹھا چکے ہو لیکن تم کمزور یا بے بس نہیں ہو۔ تم نے کوئی جرم، کوئی غلطی یا کوئی گناہ نہیں کیا۔ صرف اپنے لئے ایک نیا راستہ تلاش کیا تھا، اگر تمہارے پاؤں زخمی ہو گئے ہیں، تو اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ وہ راستہ غلط تھا۔ مجھے اس بات پر فخر ہے کہ ایک اولوالعزم انسان میرے پاس آیا ہے اور میں تمہیں یہ سمجھانے کی کوشش کروں گا کہ تم پامال شدہ گزرگاہوں پر چلنے کے لئے پیدا نہیں ہوئے —— تم عام انسانوں سے مختلف ہو۔

اب تم آرام سے سو جاؤ۔ جب تمہاری تھکاوٹ دور ہو جائے گی تو ہم اطمینان سے باتیں کریں گے۔ ممکن ہے میں تمہارے لئے کوئی ایسا مشغلہ سوچ سکوں جو تمہاری طبیعت کے موافق ہو۔"

فرمس عاصم کے کندھے پر تھپکی دے کر اٹھا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔



عاصم گہری نیند سو رہا تھا۔ فرمس اور اس کا نوکر ایک معمر عورت اور ایک دوشیزہ کے ساتھ کمرے میں داخل ہوئے۔ نوکر نے ایک گٹھڑی جس سے ان خواتین کے لباس کی طرح پانی ٹپک رہا تھا۔ ایک کونے میں رکھ دی اور انگیٹھی میں بجھتے ہوئے انگاروں پر چند لکڑیاں رکھ کر آگ جلانے میں مصروف ہو گیا۔

فرمس نے رومی زبان میں کہا۔ "مجھے دوپہر کے وقت پطیوس کا پیغام مل گیا تھا۔ لیکن یہ توقع نہ تھی کہ آپ اس موسم میں یروشلم سے نکلنا پسند کریں گی۔ میں ابھی آپ کا کمرہ خالی کرا دیتا ہوں۔"

عورت نے جس کی شکل و صورت اُس کے عالی نسب ہونے کی گواہی دیتی تھی، کہا۔ "یہاں کسی غیر معتمد آدمی کو ہماری آمد کا علم نہیں ہونا چاہیئے۔ یہ کون ہے؟"

"یہ ایک مصیبت زدہ انسان ہے، میں اسے جانتا ہوں اور آپ اس پر اعتماد کر سکتی ہیں۔" یہ کہہ کر فرمس نے عاصم کو جگانے کی کوشش کی لیکن اُس نے آنکھیں کھولنے کی بجائے کچھ بڑبڑا کر کروٹ بدل لی۔

عمر رسیدہ عورت نے کہا۔ "ٹھہرو! اسے جگانے کی ضرورت نہیں۔ ہم بہت جلد یہاں سے نکل جانا چاہتے ہیں۔ خدا کرے بارش تھم جائے۔ ہم دمشق پہنچنے سے پہلے اطمینان کا سانس نہیں لے سکتے۔"

فرمس نے قدرے پریشان ہو کر پوچھا۔ "آپ تنہا دمشق کا سفر کرنا چاہتی ہیں؟"

"اگر تم کوئی قابل اعتماد آدمی نہ دے سکے تو پھر ہمیں تنہا ہی سفر کرنا پڑے گا۔ ہمارے نوکر ہمارے ساتھ نہیں آسکے۔"

فرمس نے کہا۔ "آپ بہت پریشان ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کسی مصیبت میں گرفتار ہیں۔"

"پطیوس نے تمہیں کچھ نہیں بتایا؟"

"انہوں نے مجھے صرف یہ پیغام بھیجا تھا کہ یروشلم سے دو معزز خواتین رات کے وقت یہاں پہنچیں گی۔ اور مجھے اُن کی ہر ممکن مدد کرنی چاہیئے۔ میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ پطیوس کا معمولی سا اشارہ بھی میرے لئے حکم کا درجہ رکھتا ہے اور آپ مجھ پر اعتماد کر سکتی ہیں۔ لیکن میں حیران ہوں کہ انہوں نے رات کے وقت آپ کو تنہا کیسے بھیج دیا۔"

عمر رسیدہ عورت نے جواب دیا۔ "اُس نے اپنے دو سپاہی ہمارے ساتھ روانہ کئے تھے اور وہ ہمیں تمہاری سرائے کے باہر چھوڑ کر واپس چلے گئے ہیں۔ وہ یہ نہیں چاہتے تھے کہ انہیں یہاں کوئی ہمارے ساتھ دیکھ لے۔ شاید صبح ہوتے ہی یروشلم میں ہماری تلاش شروع ہو جائے۔ اُن ظالموں نے ہمارے ایک نوکر کو ہلاک کر دیا ہے اور دوسرے کو گرفتار کر کے لے گئے ہیں۔ وہ اُن سے یہ کہلوانا چاہتے تھے کہ میں اور میری بیٹی یروشلم میں ایرانیوں کی جاسوسی کر رہی ہیں۔ یروشلم کے حاکم کو، تاہم ہم پر دست درازی کی جرأت نہیں ہوئی لیکن اُس کا اشارہ پا کر بعض راہبوں نے عوام کو ہمارے خلاف بہت مشتعل کر دیا تھا اور مجھے ڈر تھا کہ اگر ایرانی لشکر دمشق پر قبضہ کرنے کے بعد یروشلم کی طرف بڑھا تو وہ ہماری بوٹیاں نوچ ڈالیں گے۔ یروشلم کا حاکم اس بات پر تلا ہوا تھا کہ ہم وہاں سے زندہ بچ کر نہ نکل سکیں۔"

فرمس نے پوچھا۔ "وہ آپ کا دشمن کیوں تھا؟"

"وہ میرے والد کے ماتحت ایک نہایت معمولی افسر کی حیثیت سے کام کر چکا ہے۔ اور اُسے وہ زمانہ نہیں بھولا جب میں نے اُس کے منہ پر تھپڑ لگائے تھے۔"

زمس نے کہا "میں یروشلم کے حاکم کو اچھی طرح جانتا ہوں اور مجھے ڈر ہے کہ اگر وہ آپ کا اس حد تک دشمن ہے تو آپ کے لئے دمشق یروشلم سے زیادہ محفوظ نہ ہوگا۔ ایرانیوں کی جاسوسی کا الزام آپ کے لئے ہر جگہ خطرناک ہے۔"

عورت نے تلملا کر کہا "تم میرے والد کو نہیں جانتے۔ اگر میں دمشق پہنچ جاؤں تو یروشلم کے حاکم کے لئے اپنی جان بچانا مشکل ہو جائے گا۔"

زمس نے کہا "لیکن ایرانیوں کی پیش قدمی کے باعث دمشق کے حالات خاصے مخدوش ہو چکے ہیں۔ اگر خدانخواستہ انہوں نے دمشق پر قبضہ کر لیا تو آپ کیا کریں گی؟ کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ آپ دمشق کی بجائے اسکندریہ کا رُخ کریں۔"

عورت نے جواب دیا "میرے والد دمشق میں ہیں۔ مجھے بہر صورت وہاں پہنچنا ہے۔"

نوکر آگ جلا چکا تھا، نوجوان لڑکی انگیٹھی کے سامنے بازو پھیلائے کھڑی تھی۔

زمس نے کہا "معاف کیجئے مجھے یہ بھی خیال نہیں رہا کہ آپ سردی میں سے آئی ہیں۔ اس وقت آپ کا پہلا مسئلہ یہ ہے کہ آپ کو خشک کپڑے مہیا کئے جائیں۔ میں آپ کو چادریں دے سکتا ہوں۔ آپ کے لئے کھانا بھی تیار ہے۔"

"ہم کھانا کھا کر آئے تھے۔"

نوجوان لڑکی نے کمرے کے کونے میں جا کر اپنی گٹھڑی کھولی اور بھیگے ہوئے کپڑے نکال کر دیکھنے لگی۔

زمس نے اپنے نوکر سے کہا "تم یہ کپڑے لے جاؤ اور انہیں آگ کے سامنے اچھی طرح سکھا کر لاؤ۔" پھر وہ عمر رسیدہ عورت کی طرف متوجہ ہو کر بولا "میرے خیال میں یہ بہتر ہوگا کہ میں اس آدمی کو جگا کر نیچے لے جاؤں، آپ کو یقین ہے کہ اس کی موجودگی آپ کے لئے کسی پریشانی کا باعث نہ ہوگی؟"

"نہیں، اسے تکلیف دینے سے ہمیں کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ تم ہمارے لئے کسی قابل اعتماد ساتھی کا بندوبست کرو۔ صبح تک اگر بارش نہ تھمی تو بھی ہم روانہ ہو جائیں گے۔ مجھے ڈر ہے کہ اگر انہیں ہمارا پتہ چل گیا تو وہ ہمارا تعاقب ضرور کریں گے۔"

زمس نے کہا "آپ اطمینان رکھیے! میرے آدمی سرائے کے باہر پہرا دیں گے اگر کوئی اس طرف آیا تو مجھے قبل از وقت اطلاع مل جائے گی اور میں آپ کو اسی سرائے کے اندر ایک ایسے تہ خانے میں چھپا دوں گا جس کا میرے ایک نوکر کے سوا کسی کو علم نہیں۔ اور سفر میں بھی میں شاید ایک بہتر ساتھی آپ کے ساتھ کر سکوں۔"

"وہ آپ کا نوکر ہے؟"

"نہیں وہ ایک مہمان ہے۔"

"کہاں ہے وہ؟"

زمس نے عاصم کے بستر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جواب دیا "یہ ہے وہ۔ اگر یہ دمشق جانے پر رضامند ہو گیا تو آپ کو اس سے بہتر ساتھی نہیں مل سکتا۔"

"یہ یروشلم کا باشندہ ہے؟"

"نہیں، یہ عرب سے آیا ہے۔"

"عرب سے؟" نوجوان لڑکی نے چونک کر کہا "آپ ایک عرب پر اعتماد کر سکتے ہیں؟"

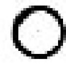
"ہاں! میں اُس شخص پر اعتماد کرنے میں بالکل حق بجانب ہوں، جو کسی نیک مقصد کے لئے قربانی دے چکا ہو۔"

لڑکی کی ماں نے کہا "ایک عرب کسی نیک مقصد کے لئے قربانی دے سکتا ہے؟"

"ہاں! قدرت نے نیکی کے سارے دروازے کسی قوم کے لئے بند نہیں کئے۔"

لڑکی نے کہا "میں نے پہلی بار سنا ہے کہ ایک عرب بھی کوئی نیکی کر سکتا ہے؟"

"میں آپ کی تسلی کے لئے صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ اگر آپ کی جگہ میری اپنی بیٹی ہوتی تو میں اُس کے لئے بھی اس نوجوان سے بہتر محافظ تلاش نہ کر سکتا۔ شاید اس میں بھی کوئی مصلحت تھی کہ ہم نے اسے بے آرام نہیں کیا۔ اسے مدت کے بعد آرام کی نیند نصیب ہوئی ہے۔ اب مجھے اجازت دیجئے میں بارش کا زور ٹوٹتے ہی آپ کے سفر کا بندوبست کروں گا ـــــ" زمس اور اُس کا نوکر کمرے سے باہر نکل گئے۔



عاصم نے خواب میں کچھ دیر بڑبڑانے کے بعد کروٹ بدلی اور نوجوان لڑکی جو انگیٹھی کے سامنے کرسی پر بیٹھی تھی مڑ [illegible] کی طرف دیکھنے لگی۔ اُس کی ماں اُس کے دائیں ہاتھ دوسری کرسی پر سو رہی تھی۔ کمرے میں داخل ہونے کے بعد [illegible] عاصم کی طرف غور سے دیکھ رہی تھی اور اس نوجوان کی شکل و صورت اُن نفرت انگیز داستانوں کو جھٹلا [illegible] س نے سن شعور سے لے کر آج تک عربوں کی جہالت اور درندگی کے متعلق سنی تھیں۔ اُسے یہ بات ناقابل

یقین معلوم ہوتی تھی کہ وہ بیچارگی کی حالت میں سرائے کے ایک کمرے میں بیٹھی ہے اور ایک عرب اُس کے قریب سو رہا ہے۔ تاہم ایک بڑی مصیبت کا احساس اُس کے فخر و غرور پر غالب آچکا تھا۔ اُس نے اپنی ماں کی طرف دیکھا اور اُسے ایسا محسوس ہونے لگا کہ اُس کا دل ایک ناقابلِ برداشت بوجھ تلے پِسا جا رہا ہے۔

عاصم اچانک دوبارہ بڑبڑایا اور بستر پر ہاتھ پاؤں مارنے لگا۔ اُس کا لحاف ایک طرف گر پڑا۔ لڑکی کی حیرانی اضطراب میں تبدیل ہونے لگی اُسے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ نوجوان نیند میں کسی سے لڑ رہا ہے۔ اُس کا چہرہ پسینے میں شرابور ہو رہا تھا۔ چند ثانیے بعد وہ خاموش ہوگیا۔ اور کچھ دیر بے حس و حرکت پڑا رہا۔ پھر اچانک اُس نے آنکھیں کھولیں اور اُس کی نگاہیں ایک ان جانی اور ان دیکھی صورت پر مرکوز ہو کر رہ گئیں۔ لڑکی نے گھبرا کر منہ پھیر لیا۔ اُس کے سنہرے بال اُس کے شانوں پر بکھرے ہوئے تھے اور چادر سے باہر اُس کا ایک بازو، جو اب عاصم کی نگاہوں کے سامنے تھا، مرمر کی طرح سفید تھا۔

عاصم کی حیرانی اضطراب میں تبدیل ہونے لگی اُس نے کمرے کی چھت اور دیواروں کی طرف دیکھا اور انتہائی بدحواسی کے عالم میں اٹھ کر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "میں کہاں ہوں؟"

لڑکی دوبارہ اُس کی طرف دیکھنے لگی۔ اُس کی آنکھوں میں آسمان کی نیلاہٹ، سمندر کی گہرائی اور صبح کی روشنی تھی۔

"تم...... تم کون ہو؟" عاصم نے جھجکتے ہوئے سوال کیا۔

لڑکی نے بے اعتنائی سے مسکراتے ہوئے سریانی زبان میں کہا۔ "میں آپ کی زبان نہیں جانتی۔"

عاصم اچانک پلنگ سے اتر کر ایک طرف کھڑا ہوگیا اور اُس نے سریانی میں کہا۔ "معاف کیجئے سرائے کے مالک کو شاید آپ ہی کا انتظار تھا۔ اور مجھے یہ کمرہ اِس شرط پر دیا گیا تھا کہ جب اُس کے مہمان آجائیں گے تو میں اسے خالی کردوں گا۔ آپ کو یہاں پہنچتے ہی مجھے جگا دینا چاہیے تھا۔ مجھے یہاں سونے کا کوئی حق نہ تھا۔"

"تم سو رہے تھے اور ہمارا یہاں ٹھہرنے کا کوئی ارادہ نہ تھا اس لئے ہم نے تمہیں تکلیف دینا مناسب نہ سمجھا۔" لڑکی نے یہ کہہ کر اپنی ماں کو جھنجھوڑا اور وہ چونک کر ادھر ادھر دیکھنے کے بعد عاصم کی طرف متوجہ ہوئی۔ "نوجوان تم اپنی نیند پوری کر چکے ہو ——— ؟"

"جی ہاں اور مجھے افسوس ہے کہ میری وجہ سے آپ کو اس قدر تکلیف ہوئی۔"

عورت نے کہا۔ "ہمارا یہاں ٹھہرنے کا کوئی ارادہ نہ تھا اس لئے تمہیں جگانا مناسب نہ سمجھا۔ اگر بارش اس قدر تیز

نہ ہوتی تو ہم یہاں رکنا بھی پسند نہ کرتے۔ بیٹھ جاؤ! تم کھڑے کیوں ہو؟"

عاصم میز کے دوسری طرف ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ عورت کچھ دیر خاموشی سے اُس کی طرف دیکھتی رہی۔

بالآخر اُس نے کہا۔ "سرائے کے مالک نے تمہاری بہت تعریف کی ہے۔ تم ہمارے ساتھ دمشق تک جانا پسند کرو گے
"کب ——— ؟"

"ہم صرف بارش تھمنے کا انتظار کر رہے ہیں۔ لیکن اگر بارش نہ رکی تو بھی ہم صبح تک یہاں سے نکل جائیں گے۔ یہ ہماری زندگی اور موت کا مسئلہ ہے۔ سرائے کے مالک نے ہمیں یہ بتایا ہے کہ تم ایک بہادر آدمی ہو اور تمہاری نیکی اور شرافت پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ ہم تمہاری اعانت کے محتاج ہیں۔ اگر تم دمشق تک ہمارا ساتھ دے سکو تو میں اِس نیکی کا پورا معاوضہ دے سکوں گی۔"

ماں اور بیٹی سراپا التجا بن کر عاصم کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ اور اُس کے لئے یہ سمجھنا مشکل نہ تھا کہ وہ کسی بہت بڑی مصیبت میں گرفتار ہیں۔ اُس نے قدرے توقف کے بعد کہا۔ "اگر سرائے کے مالک کی یہی خواہش ہے۔ تو میں ضرور آپ کے ساتھ چلوں گا۔ اور آپ سے اس کا کوئی معاوضہ بھی نہیں لوں گا۔ لیکن میں نے سنا ہے کہ ایرانیوں کی پیش قدمی کی وجہ سے دمشق خالی ہو رہا ہے۔ کیا ان حالات میں آپ کے لئے وہاں جانا خطرناک نہ ہوگا؟"

عورت نے جواب دیا۔ "ہمیں ایرانیوں سے کوئی خطرہ نہیں، اگر سارا دمشق خالی ہوجائے تو بھی ہم وہاں ضرور جائیں گے۔ اور تمہیں ہم کو اس قدر نادار نہیں سمجھنا چاہیئے کہ ہم تمہاری خدمت کا کوئی صلہ نہ دے سکیں۔ بعض اہم وجوہ کی بنا پر ہمیں اِس بے سروسامانی کی حالت میں یروشلم سے نکلنا پڑا اور ہم اپنے نوکروں کو ساتھ نہ لا سکے لیکن تمہارے لئے ہمارے پاس اِس وقت بھی بہت کچھ ہے۔"

باہر بادل کی گرج سنائی دی اور بارش کا شور پہلے سے زیادہ ہوگیا۔ عورت نے مضطرب ہو کر کہا۔ "اب صبح ہونے والی ہے۔ خدا معلوم یہ طوفان کب تھمے گا۔ ہمارے لئے ایک ایک لمحہ قیمتی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ صبح ہوتے ہی اُن کے [illegible]س طرف بھی ہمارا پیچھا کریں گے۔"

"آپ کا پیچھا کرنے والے کون ہیں؟" عاصم نے سوال کیا۔

عورت نے اچانک سنبھل کر جواب دیا۔ "آپ کو پریشان نہیں ہونا چاہیئے۔ ہم نے کوئی جرم نہیں کیا۔ ہم صرف

ایک پریشانی سے بچنا چاہتے ہیں۔ یروشلم کی فوج کا ایک بڑا افسر اس بات کی ہر ممکن کوشش کرے گا کہ وہ ہمارا تعاقب نہ کر سکیں۔ تاہم ہمارے لئے یہاں ٹھہرنا ٹھیک نہیں۔"

"میرے خیال میں بارش کا زور ٹوٹ رہا ہے۔" عاصم یہ کہہ کر اٹھا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے واپس آکر کہا "مغرب کی طرف بادل چھٹ رہے ہیں اور اب یہ معمولی بوندا باندی بھی زیادہ دیر نہ رہے گی۔ آپ کے پاس گھوڑے ہیں؟"

"ہاں ــــــ"

"اگر آپ کے پاس گھوڑے تھے تو آپ کو بارش میں بھی یہاں قیام نہیں کرنا چاہئے تھا۔ میں ابھی سرائے کے مالک کو جگاتا ہوں۔"

فرمس اچانک کمرے میں داخل ہوا اور اُس نے کہا "آپ کو یہ کیسے خیال آیا کہ میں سو رہا ہوں۔ گھوڑے تیار ہیں میں صرف بارش تھمنے کا انتظار کر رہا تھا۔ اب میں آپ کے پاس ایک درخواست لے کر آیا ہوں۔ ان خواتین کو دمشق پہنچنے کے لئے ایک قابلِ اعتماد ساتھی کی ضرورت ہے اور مجھے اس خدمت کے لئے آپ سے بہتر کوئی نظر نہیں آتا۔"

عورت نے کہا۔ "اب انہیں درخواست کرنے کی ضرورت نہیں یہ شریف نوجوان ہمارے ساتھ جانے کو تیار ہے۔"

فرمس کا ملازم کپڑوں کی گٹھڑی اٹھائے کمرے میں داخل ہوا اور اسے بستر پر رکھ کر بولا "لیجئے میں نے انہیں اچھی طرح سکھا دیا ہے۔"

فرمس نے عورت سے مخاطب ہو کر کہا "آپ فوراً تیار ہو جائیے۔ ہم نیچے آپ کا انتظار کریں گے۔"

عاصم دروازے کے قریب ایک کھونٹی سے اپنے کپڑے اتارنے لگا تو فرمس نے اپنے نوکر سے کہا "تم یہ کپڑے لے جاؤ اور انہیں کھانے کے سامان کے ساتھ ان کی خرجین میں ڈال دو۔ اس کے بعد ان معزز خواتین کو نیچے لے آؤ۔" پھر وہ عاصم سے مخاطب ہوا "تمہارے سفر کے لئے یہ لباس موزوں نہیں۔ تم میرے ساتھ آؤ میں نے تمہارے لئے کچھ اور انتظام کیا ہے؟"

عاصم فرمس کے ساتھ چل دیا اور تھوڑی دیر بعد وہ اُس کے سکونتی مکان کے ایک چھوٹے سے کمرے میں داخل ہوا۔ فرمس نے جلدی سے ایک صندوق کھولا اور ایک رومی افسر کی وردی نکال کر عاصم کے سامنے رکھتے ہوئے کہا:

"تم ایک رومی افسر کے بھیس میں دمشق جا رہے ہو۔ تمہارے لئے ایک عرب کی بجائے ایک رومی کی حیثیت سے ان عورتوں کی حفاظت کرنا زیادہ آسان ہوگا۔ یہ میرے ایک دوست کی نشانی ہے۔ اُس نے فوج سے بھاگ کر یروشلم کی ایک خانقاہ میں پناہ لی تھی اور اپنی وردی میرے پاس چھوڑ گیا تھا۔ دو سال اس نے راہبانہ زندگی بسر کی اور آخر کار اس سے بیزار ہو کر وہ خانقاہ سے بھی فرار ہو گیا۔ اس کے بعد اُس کا کہیں پتا نہ چلا۔ اُس کا قد بالکل تمہارے برابر تھا۔ مجھے یقین ہے کہ یہ وردی تمہارے ٹھیک آئے گی۔ اب جلدی کرو۔"

عاصم نے کہا "لیکن میں رومی زبان کے چند الفاظ ہی جانتا ہوں۔ اور میرا رنگ بھی کسی رومی کو دھوکا نہیں دے سکے گا ــــ"

"تمہارا رنگ خاصا سفید ہے۔ اور روم و یونان کے وہ لوگ جو مدت سے شام میں آباد ہیں، یہاں کی زبان سیکھ گئے ہیں اور تم سریانی زبان میں روانی کے ساتھ گفتگو کر سکتے ہو۔ پھر اگر کسی جگہ رومی زبان میں گفتگو کرنے کی ضرورت پیش آگئی تو تھوڑی دیر کے لئے بہرے بن کر ان خواتین کو آگے کر دینا۔ وہ خاصی سمجھ دار معلوم ہوتی ہیں۔ جو لوگ تمہیں راستے میں ملیں گے وہ اس لباس کو دیکھ کر ہی مرعوب ہو جائیں گے۔ تم پانی مانگو گے تو دودھ ملے گا۔ تمہیں صرف ان عورتوں کا پیچھا کرنے والوں سے کوئی خطرہ ہو سکتا ہے۔ اس لئے تمہاری کوشش یہ ہونی چاہئے کہ جلد از جلد یہاں سے دور نکل جاؤ۔ یہ عورت دمشق کے کسی با اثر رومی کی بیٹی ہے اور مجھے اُمید ہے کہ یروشلم کے حاکم کے آدمی دو چار منزلوں سے زیادہ ان کا پیچھا کرنے کی جرأت نہیں کریں گے۔ مجھے یہ بھی امید ہے کہ اس لباس کی بدولت تم بوقت ضرورت تازہ دم گھوڑے بھی حاصل کر سکو گے؟"

عاصم وردی پہن چکا، تو فرمس نے صندوق سے تلوار نکال کر اُسے پیش کرتے ہوئے کہا "خدا کی قسم اب اگر تم قیصر کے دربار میں جاؤ تو بھی تم پر کوئی شک نہیں کرے گا۔"

عاصم نے کہا "نہیں مجھے تلوار کی ضرورت نہیں۔ میں نے عہد کیا تھا کہ باقی عمر تلوار کو ہاتھ نہیں لگاؤں گا اور میں اس عہد پر قائم رہنا چاہتا ہوں۔"

فرمس نے کہا "عاصم! تم ایک بہادر آدمی ہو۔ اور راستے میں تمہیں ایسے حالات پیش آسکتے ہیں کہ تم بھاگنے کو پسند کرو۔ مجھے یقین ہے کہ اگر ان بے بس عورتوں پر کسی نے حملہ کیا تو تم ان کی چیخیں برداشت نہ کر سکو گے۔"

موجودہ حالات میں مجھے یہ توقع نہیں کہ یروشلم کا حاکم انہیں گرفتار کرنے کے لئے کوئی لشکر بھیجے گا، لیکن اگر دو چار آدمیوں نے تمہارا پیچھا کیا تو تم یقیناً تلوار کی ضرورت محسوس کرو گے۔ اگر مجھے یہ اطمینان ہوتا کہ خطرے کے وقت تمہیں صرف اپنی جان بچانے کی فکر ہوگی اور تم ان عورتوں کی طرف سے آنکھیں بند کر سکو گے تو میں یہ تلوار تمہیں پیش نہ کرتا۔"

عاصم نے کوئی جواب نہ دیا اور فرمس نے تلوار کا تسمہ اُس کی کمر سے باندھتے ہوئے کہا۔"خدا جانتا ہے کہ مجھے تمہاری جدائی پسند نہیں۔ جب تم اپنی سرگزشت سنا رہے تھے تو میں یہ سوچ رہا تھا کہ اگر ایرانیوں کی پیش قدمی کے باعث مجھے یہاں سے بھاگنا پڑا تو میں تمہیں اپنے ساتھ اسکندریہ لے جاؤں گا۔ اور پھر وہاں سے ہم بابلیون چلے جائیں گے۔ مگر قدرت تم سے یہ کام لینا چاہتی تھی۔ لیکن اب تم جلدی واپس آنے کی کوشش کرنا۔ اگر حالات زیادہ خراب ہوگئے اور مجھے تمہاری آمد سے پہلے یہاں سے کوچ کرنا پڑا تو میں اسکندریہ اور اُس کے بعد بابلیون میں تمہارا انتظار کروں گا۔"

عاصم نے صندوق سے ترکش اور کمان نکالتے ہوئے کہا۔"اب کہ میں اپنے عہد سے انحراف کر رہا ہوں تو مجھے پوری طرح مسلح ہوکر جانا چاہیئے۔"

وہ کمرے سے باہر نکلے تو بارش تھم چکی تھی اور مشرق سے سپیدۂ سحر نمودار ہو رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد فرمس سرائے کے دروازے کے باہر کھڑا عاصم اور اُس کے ساتھیوں کے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سُن رہا تھا۔

باب ١٤

آفتاب نمودار ہو چکا تھا۔ اور چند میل سرپٹ دوڑنے کے بعد عاصم اور اُس کے ساتھیوں کے گھوڑے بُری طرح ہانپ رہے تھے۔ عاصم نے اپنا گھوڑا روکا اور مڑ کر اپنے ساتھیوں کی طرف، جو کچھ پیچھے رہ گئے تھے، دیکھنے لگا۔

لڑکی کی ماں نے اُس کے قریب پہنچ کر کہا۔"گھوڑے تھک گئے ہیں۔ اب ہمیں کچھ دیر آرام سے سفر کرنا چاہیئے۔"

عاصم نے کہا۔"مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ لیکن یہ بہتر ہوگا کہ ہم دوپہر سے پہلے زیادہ سے زیادہ فاصلہ طے کرلیں۔"

لڑکی نے کہا۔"آپ کو یقین ہے کہ یہ راستہ دمشق کی طرف جاتا ہے؟" یہ پہلا موقع تھا کہ وہ عاصم سے "تم" کی بجائے "آپ" کہہ کر مخاطب ہو رہی تھی۔ اور یہ پہلا موقع تھا کہ وہ دن کی روشنی میں انسانی حسن و جمال کے اِس پیکرِ مجسم کو دیکھ رہا تھا۔ اس کی عمر چودہ یا پندرہ سال سے زیادہ نہ تھی۔ تاہم شباب کی تمام رعنائیاں اُس کے چہرے پر رقص کر رہی تھیں۔

اُس نے جواب دیا۔"ہاں! میں اِس راستے پر پہلے بھی سفر کرچکا ہوں۔"

لڑکی نے کہا۔"ہم خاصی دور آگئے ہیں۔ کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ تھوڑی دیر کسی جگہ، سستانے کے لئے ٹھہر جائیں۔"

"نہیں۔" عاصم نے فیصلہ کن انداز میں جواب دیا۔"ہم دوپہر سے پہلے آرام نہیں کریں گے۔"

ماں نے کہا۔"بیٹی! ہمت سے کام لو۔ ہماری منزل بہت دور ہے۔"

ایک گھاٹی کے موڑ سے انہیں گھوڑوں کی ٹاپ اور رتھوں کی گڑگڑاہٹ سنائی دی۔ عاصم نے جلدی سے گھوڑے کی باگ موڑی اور راستے سے ایک طرف ہٹ کر اپنے ساتھیوں سے کہا۔"میرا خیال ہے کہ وہ سپاہی ہیں۔ ہمیں چند گھوڑوں کا رُخ دوسری طرف کرلیں اور راستہ چھوڑ دیں، انہیں ہمارے متعلق یہی سمجھنا چاہیئے کہ ہم بھی

یروشلم جا رہے ہیں۔ پھر شاید وہ ہم سے ہمکلام ہونے کی ضرورت محسوس نہ کریں۔"

عاصم کے ساتھیوں نے بلاتاخیر اُس کی ہدایت پر عمل کیا۔ چند ثانیے بعد گھاٹی کے موڑ سے دو درجن مسلح سوار نمودار ہوئے۔ سب سے اگلی رتھ پر ایک رومی افسر سوار تھا۔ اُس نے قریب پہنچ کر ہاتھ کے اشارے سے سلام کیا اور پھر ہانپتے ہوئے گھوڑوں کو چابک مارتا ہوا آگے نکل گیا۔ جب یہ لوگ کچھ دور چلے گئے تو عاصم نے اطمینان کا سانس لینے کے بعد اپنے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔"میں یہ وردی پہننے پر اپنے آپ کو کوس رہا تھا۔ مجھے ڈر تھا کہ اگر وہ مجھ سے پوچھ بیٹھے تو میں کیا جواب دوں گا۔"

لڑکی بولی۔"تمہیں اس قدر پریشان ہونے کی ضرورت نہ تھی۔ یہ لوگ دمشق سے آ رہے تھے اور انہیں مرعوب کرنے کے لئے میرے اباجان کا نام کافی تھا۔ میں اگر انہیں یہ بھی بتا دیتی کہ تم ایک عرب ہو اور تم نے صرف ہماری خاطر ایک رومی کا بھیس بدلا ہے تو بھی وہ تمہیں کچھ کہنے کی جرأت نہ کرتے۔ دمشق کی فوج کے تمام عہدہ دار میرے اباجان کو جانتے ہیں۔ ہمیں اگر کوئی خطرہ پیش آ سکتا ہے تو صرف یروشلم کے حاکم کے آدمیوں سے۔"

عاصم نے کہا۔"اگر یروشلم کے حاکم کے آدمی آپ کی تلاش میں اس طرف روانہ ہو چکے ہیں تو راستے میں ان سے انہیں آپ کا پتا مل جائے گا۔ اس صورت میں آپ کو آرام کے لئے بہت کم وقت ملے گا۔ اب چلئے۔"

عاصم نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔ ماں اور بیٹی نے بے بسی کی حالت میں ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور بغیر کچھ کہے اُس کے پیچھے چل پڑیں۔

ایک ساعت بعد یہ لوگ ایک سرسبز وادی میں داخل ہوئے جہاں ایک چھوٹی سی ندی بہہ رہی تھی۔ گندم اور جو کے لہلہاتے کھیتوں میں کہیں کہیں زیتون کے درخت کھڑے تھے۔ سامنے تھوڑی دور کسی بستی یا قصبے کے آثار دکھائی دے رہے تھے۔ عاصم نے سڑک سے اتر کر ندی کے کنارے گھوڑا روکا اور اُسے پانی پلاتے ہوئے اپنے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔"میرے خیال میں ہمیں اُس بستی کی بجائے یہیں کسی جگہ تھوڑی دیر آرام کر لینا چاہیئے۔ آپ اپنے گھوڑوں کو پانی پلا لیں۔ اس کے بعد ہم کوئی موزوں جگہ تلاش کریں گے۔"

لڑکی گھوڑے سے اتری اور اوک سے پانی کے چند گھونٹ پینے کے بعد نڈھال سی ہو کر ندی کے کنارے بیٹھ گئی۔ ماں نے بیٹی کی تقلید کی لیکن عاصم نے کہا۔"آپ اپنے گھوڑوں کی باگیں پکڑ لیں ورنہ یہ پانی پیتے ہی بھاگ جائیں گے۔"

لڑکی بادلِ ناخواستہ اٹھی اور اپنے گھوڑے کی باگ پکڑ کر بولی۔"ہمارے گھوڑوں میں اب بھاگنے کی ہمت نہیں۔"

عاصم نے اپنا گھوڑا آگے بڑھا کر دوسرے گھوڑے کی باگ پکڑی اور کہا۔"بھوکے گھوڑوں کے لئے یہ لہلہاتے کھیت خاصے صبر آزما ثابت ہو سکتے ہیں۔ آپ ذرا ہمت سے کام لیں۔ ہمارے لئے سڑک کے قریب ٹھہرنا مناسب نہیں۔"

لڑکی نے کہا۔"لیکن اب مجھ میں گھوڑے پر دوبارہ سوار ہونے کی ہمت نہیں۔"

عاصم نے کہا۔"چند قدم پیدل چلنا آپ کے لئے سودمند ہوگا۔ آئیے!"

ماں اٹھتے ہوئے بولی۔"چلو بیٹی! یہ درست کہتے ہیں۔ ہمیں معمولی تکلیف سے بچنے کے لئے سڑک کے کنارے رکنے کا خطرہ مول نہیں لینا چاہیئے۔"

لڑکی منہ بسورتی ہوئی اُن کے پیچھے چل پڑی۔ وہ کچھ دیر ندی کے کنارے چلتے رہے۔ ایک چھوٹا سا ٹیلا عبور کرنے کے بعد عاصم نے ادھر اُدھر دیکھا اور کہا۔"میرے خیال میں یہ جگہ زیادہ محفوظ ہے۔ کم از کم ہمیں سڑک کی طرف سے کوئی نہیں دیکھ سکے گا۔"

لڑکی اور اُس کی ماں زمین پر بیٹھ گئیں اور عاصم نے تینوں گھوڑے زیتون کے درختوں سے باندھ دیئے۔ پھر اپنی خرجین سے ایک گٹھڑی، جس میں کھانا بندھا ہوا تھا، نکالی اور اُسے اپنے ساتھیوں کے آگے رکھ کر کھولتے ہوئے کہا۔"آپ تھکاوٹ سے زیادہ بھوک محسوس کر رہی ہوں گی۔ دیکھئے! ہمارے میزبان نے کس قدر تکلف سے کام لیا ہے۔ یہ کھانا ہمارے سارے سفر کے لئے کافی ہوگا۔"

لڑکی نے کہا۔"کیا آپ کے خیال میں ہمیں اگلی منزلوں میں بھی اسی باسی کھانے پر اکتفا کرنا پڑے گا؟"

عاصم نے جواب دیا۔"ہاں! اگر تازہ کھانا نہ ملا!"

لڑکی کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن بھوک کی شدت اُس کی قوتِ گویائی پر غالب آگئی۔

پھر گوشت کے چند ٹکڑے اور روٹی کے چند نوالے کھانے کے بعد اُس نے قدرے تازہ دم ہو کر کہا۔"دیکھئے! [illegible] کی ایک غلط فہمی دور کرنا چاہتی ہوں۔ ہمارے لئے یروشلم ٹھہرنا اس لئے خطرناک تھا کہ شہر کا حاکم درپردہ ہمارا [illegible] اس کے جاسوسوں نے بعض افواہیں پھیلا کر عوام کو ہمارے خلاف مشتعل کر دیا تھا۔ لیکن یروشلم سے باہر ہمیں کوئی [illegible] کے آدمی ہمارا تعاقب کرنے کی جرأت نہیں کریں گے۔ آپ میرے نانا کو نہیں جانتے۔ ورنہ آپ کو

ہمارے متعلق اس قدر پریشانی نہ ہوتی آپ دیکھیں گے کہ جب یروشلم کے حاکم کو یہ معلوم ہوگا کہ ہم اُس سے خفا ہیں تو وہ کانپتا ہوا میرے نانا کے پاس آئے گا اور ان کے پاؤں پر گر کر یہ کہے گا کہ میں بے قصور ہوں، میں تو آپ کی بیٹی اور نواسی کی حفاظت کر رہا تھا۔ یہ ہماری غلطی تھی کہ ہم اپنے ایرانی نوکروں کو اپنے ساتھ یروشلم لے آئے تھے۔ اور عوام کسی دشمن کی افواہوں سے ان کے خلاف مشتعل ہو گئے تھے۔ اس لئے آپ ہمیں بھیڑ بکریوں کی طرح ہانکنے کی کوشش نہ کریں میں بہت تھک گئی ہوں۔"

لڑکی کی ماں نے کہا "فسطینہ! یہ تم کیا کہہ رہی ہو تم اچھی طرح جانتی ہو کہ ہماری عزت اور ہماری جانیں خطرے میں ہیں۔ ہمارا ایک نوکر اب بھی انڈرونیکس کی قید میں ہے۔ اور اس کا قصور صرف یہ تھا کہ اس نے ہمارے خلاف کوئی بیان نہیں دیا"

لڑکی نے ماں کی طرف متوجہ ہونے کی بجائے تشفی بھری نگاہوں سے عاصم کی طرف دیکھا اور کہنے لگی "اگر وہ ہمیں پکڑ کر لے جائیں تو آپ دمشق پہنچنے کی کوشش کریں۔ ہمارا مکان شہر کے مشرقی دروازے کے بالکل قریب ہے اور میرے نانا کا نام مخیوزوسیس ہے۔ جب آپ انہیں یہ بتائیں گے کہ آپ کی فسطینہ گرفتار ہونے سے پہلے بارش کے طوفان میں یروشلم سے نکلی تھی اور پھر اُس نے اتنا لمبا سفر طے کیا تھا تو آپ دیکھیں گے کہ وہ یروشلم کے گورنر کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں اور آپ میرے باپ کے متعلق بھی نہیں جانتے۔ اماں جان آپ انہیں بتائیے کہ میرا باپ کون ہے۔ پھر انہیں یقین آجائے گا کہ ہمیں کوئی خطرہ نہیں اور ہم دمشق تک اطمینان سے سفر کر سکتے ہیں۔"

فسطینہ کی ماں اور عاصم اضطراب و پریشانی کی حالت میں اُس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ اور تھوڑی ہی دیر میں فسطینہ آنکھیں بند کئے گہری نیند میں بڑبڑا رہی تھی۔

عاصم نے کہا "آپ بھی تھوڑی دیر آرام کر لیجئے۔"

فسطینہ کی ماں نے زمین پر لیٹتے ہی آنکھیں بند کر لیں اور تھوڑی دیر بعد اپنی بیٹی کی طرح وہ بھی گہری نیند سو رہی تھی۔

عاصم دیر تک فسطینہ کی طرف دیکھتا رہا، اُس کا حسین چہرہ اُسے بیک وقت معصوم، شوخ اور مغرور دکھائی دیتا تھا۔ اُسے گزشتہ چند گھنٹوں کے تمام واقعات ایک خواب معلوم ہوتے تھے۔ اور یہ خواب جس قدر دلچسپ اور دلفریب تھا اُسی قدر مضحکہ خیز معلوم ہوتا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا اگر رات کے وقت یروشلم کے دروازے بند نہ ہوتے اور مجھے بارش سے پناہ لینے کے لئے فرمس کی سرائے کا رخ نہ کرنا پڑتا تو ان سے میری ملاقات بھی نہ ہوتی۔ میں دنیا سے تمام رشتے توڑ کر کسی

کی تلاش میں نکلا تھا۔ مجھے اپنے سفر میں کسی کی رفاقت کی تمنا نہ تھی۔ پھر کیا وجہ ہے کہ قدرت نے تین مصیبت زدہ افراد کو مختلف سمتوں سے دھکیل کر ایک راستے پر ڈال دیا ہے؟ کیا قدرت کے لئے یہ ممکن نہ تھا کہ اس وقت فسطینہ کی بجائے سمیرا میرے پاس ہوتی ——— اُس سے میری پہلی ملاقات جن حالات میں ہوئی تھی وہ اس سے کہیں زیادہ غیر متوقع اور ناقابلِ یقین تھے۔ اور میں نے ان غیر متوقع حالات کو قدرت کا معجزہ سمجھ کر یہ یقین کر لیا تھا کہ ہم ایک دوسرے کے لئے ہیں۔ ہمیں دنیا کی کوئی طاقت ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں کر سکتی۔ سمیرا کی رفاقت کے بغیر میرے ذہن میں اپنے مستقبل کا کوئی تصور نہ تھا۔ لیکن اب وہ مر چکی ہے۔ میں اُسے دوبارہ نہیں دیکھوں گا۔ مناۃ جس کی مورتی کے سامنے میں نے منتیں مانی تھیں صرف یہ چاہتا تھا کہ میں اپنے راستے سے بھٹک کر سمیرا کے گھر پہنچ جاؤں۔ اُس نے عمیر کو بے بسی کے عالم میں میرے راستے میں ڈال دیا تھا۔ اُسی نے میرے دل میں عدی کے خاندان کے لئے دوستی اور محبت کے جذبات بیدار کر دیئے تھے اور مجھے اس بات کا قطعاً احساس نہ تھا کہ میں اپنے قبیلے سے بدعہدی کر رہا ہوں۔ کاش! مجھے معلوم ہوتا کہ میں نے اُن پر موت کے دروازے کھول دیئے ہیں جسے نیکی سمجھتا تھا وہ میری زندگی کا سب سے بڑا جرم بن جائے گی۔ اور میں جن پھولوں کو ہاتھ لگاؤں گا وہ خاکستر بن کر رہ جائیں گے۔

عاصم نے کرب کی حالت میں آنکھیں بند کر لیں اور اپنے دل میں کہا "قدرت کی بے رحم قوتو! اب تم مجھ سے مذاق نہیں کر سکتیں۔ اب میں نئے سپنے نہیں دیکھوں گا۔ اب مجھے کسی خواب کی تعبیر پریشان نہیں کرے گی۔ اب پھولوں کی جستجو مجھے انگاروں میں ہاتھ ڈالنے پر آمادہ نہیں کرے گی۔ تم میرے خالی ہاتھوں سے کچھ نہیں چھین سکو گے۔ دمشق پہنچنے کے بعد مجھے ان لوگوں سے کوئی سروکار نہ ہوگا۔ وہاں سے ہمارے راستے مختلف ہو جائیں گے۔" پھر تھوڑی دیر بعد جب وہ دوبارہ فسطینہ کی طرف دیکھ رہا تھا تو اس کے دل میں اس قسم کے سوالات ابھر رہے تھے "کیا دمشق سے آگے اپنی زندگی کے ویران راستوں پر قدم رکھتے ہوئے مجھے کسی ہم سفر کی احتیاج محسوس نہیں ہوگی؟ کیا مجھے اس عارضی رفاقت کا تصور پریشان نہیں کرے گا؟"

عاصم کے پاس ان سوالات کا کوئی جواب نہ تھا۔ وہ جتنا فسطینہ کی طرف دیکھتا اتنی ہی شدت کے ساتھ یہ محسوس کرتا کہ مستقبل کے تاریک خلا میں یہ تابناک چہرہ مدتوں اُس کا تعاقب کرتا رہے گا۔ تاہم اُسے یہ اطمینان تھا کہ اگر مجبوری نہ ہوتی تو یہ مغرور لڑکی ایک قریب المرگ عرب کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنا بھی پسند نہ کرتی اور جب وہ دمشق پہنچ جائیں گے تو

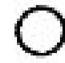
ان کے راستے خود بخود ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں گے۔ اچانک اُسے کسی کے پاؤں کی آہٹ سنائی دی اور وہ چونک کر پیچھے دیکھنے لگا۔ ایک عمر رسیدہ آدمی آہستہ آہستہ ٹیلے پر چڑھ رہا تھا۔ عاصم اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ بوڑھے نے قریب پہنچ کر ہاتھ کے اشارے سے سلام کیا اور کہا: ”جب آپ سڑک سے اتر کر اس طرف آ رہے تھے تو میں نے آپ کو دیکھا تھا۔ میں سمجھا شاید آپ آگے کسی گاؤں کی طرف جا رہے ہیں۔ لیکن ابھی میں اپنے کھیتوں کی طرف جا رہا تھا تو آپ یہاں بیٹھے دکھائی دیئے۔ اگر آپ سڑک سے اُتر کر اس طرف نہ آتے تو تھوڑی دور آگے آپ ایک سرائے میں قیام کر سکتے تھے۔ اب اگر آپ مناسب سمجھیں تو میرے گھر تشریف لے چلیں، میں بستی کے باہر اُس باغ کے پیچھے رہتا ہوں۔“

عاصم نے جواب دیا: ”آپ کا شکریہ! لیکن اب ہم تھوڑی دیر میں یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔“

”تو میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟“

عاصم نے جواب دیا: ”ہمارے گھوڑے بھوکے ہیں اگر آپ ان کے لئے اناج اور چارا مہیا کر سکیں تو بڑی نوازش ہو گی۔“

”آپ بہت نیک دل معلوم ہوتے ہیں ورنہ رومیوں کے گھوڑے اگر بھوکے ہوں تو وہ انہیں ہماری فصلوں میں چھوڑ دیتے ہیں۔ میں ابھی چارے کا انتظام کر دیتا ہوں۔“ بوڑھا یہ کہہ کر واپس چل دیا۔



کچھ دیر بعد گھوڑے چارا کھا رہے تھے اور بوڑھا کسان اور اُس کا ایک نوجوان بیٹا عاصم کے پاس بیٹھے تھے۔ کسان نے کہا: ”جناب! اگر آپ بُرا نہ مانیں تو میں آپ سے کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔“

”کہیئے!“

”میرا بڑا بیٹا فوج میں ملازم ہے۔ پچھلے مہینے اُس نے مجھے غزہ سے اطلاع دی تھی کہ ہمارے دستے دمشق جا رہے ہیں۔ لیکن اس کے بعد سے اُس کا کوئی خط یا پیام نہیں آیا۔ اگر آپ اُسے گھر آنے کے لئے کچھ دن کی رخصت دلوا سکیں تو میں آپ کا بے حد ممنون ہوں گا۔ میری بیوی بیمار ہے اور اُسے بہت یاد کرتی ہے۔ اُسے رخصت مل سکے تو بھی ہمارے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ وہ خیریت سے ہے۔“

عاصم نے جواب دیا: ”میں اُسے دمشق میں تلاش کروں گا۔ لیکن آپ جانتے ہیں کہ جنگ کے دنوں میں

سپاہی کو چھٹی نہیں مل سکتی۔ بہرحال میں کوشش کروں گا کہ آپ کو اُس کی خیریت کی اطلاع مل جائے۔“

”آپ بہت نیک دل ہیں۔ ورنہ رومی افسر کسی شامی سے ہمکلام ہونا بھی اپنی توہین سمجھتے ہیں۔ آج چند رومی ہمارے گاؤں سے گزرے تھے اور میں نے یہی التجا اُن کے افسر سے کی تھی۔ لیکن اُس نے جواب دینے کی بجائے مجھے چابک رسید کر دیا۔ اگر گاؤں کا ایک آدمی مجھے دھکا دے کر ایک طرف نہ ہٹاتا تو اُس نے مجھے اپنی رتھ کے نیچے کچل ہی دیا ہوتا۔“

عاصم نے کہا: ”وہ کوئی بد دماغ آدمی ہو گا۔“

نوجوان نے کہا: ”جناب! اگر میں وہاں ہوتا تو یہ ضرور پوچھتا کہ اگر تم انطاکیہ اور حمص سے شکستیں کھا کر بھاگے ہو تو اس میں ہمارا کیا قصور ہے۔“

بوڑھے نے خوفزدہ ہو کر اپنے بیٹے کی طرف دیکھا اور کہا: ”جناب! یہ لڑکا بہت بیوقوف ہے آپ اس کی بات کا کوئی خیال نہ کریں۔“

عاصم نے کہا: ”آپ پریشان نہ ہوں۔ ایک غیرت مند بیٹا اپنے باپ کے ساتھ بدسلوکی برداشت نہیں کر سکتا۔ اگر یہ نوجوان اُس رومی افسر کے منہ پر تھپڑ رسید کر دیتا تو بھی میں اسے حق بجانب سمجھتا۔“

بوڑھے کسان کا خوف اب پریشانی اور حیرت میں تبدیل ہو رہا تھا۔ ”جناب! ہم لوگ تصور میں بھی ایسی گستاخی نہیں کر سکتے۔ آپ جیسے نیک دل انسان کو ہماری وفاداری پر شبہ نہیں کرنا چاہیئے۔“

عاصم نے کہا: ”مجھے آپ کی وفاداری پر کوئی شبہ نہیں اور میں اس بات پر نادم ہوں کہ رومی فوج کا ایک افسر آپ سے اس قدر بدسلوکی کے ساتھ پیش آیا ہے۔ میں دمشق پہنچتے ہی آپ کے بیٹے کا پتا چلاؤں گا، اُس کا نام کیا ہے؟“

”اُس کا نام یوسف ہے اور اُس کے خدوخال میرے اس چھوٹے لڑکے سے اس قدر مشابہت رکھتے ہیں کہ آپ اُسے دیکھتے ہی پہچان لیں گے۔“

عاصم نے کچھ سوچ کر کہا: ”میں نہیں کہہ سکتا کہ دمشق کے حالات مجھے کتنی دیر وہاں ٹھہرنے کی اجازت دیں گے۔ لیکن مجھے موقع ملا تو میں اُسے تلاش کرنے کی کوشش کروں گا۔“

”جناب! آپ کے خیال میں دمشق کے حالات بہت زیادہ مخدوش تو نہیں ہیں؟“

وصیم نے جواب دیا۔ "دمشق کو خطرہ ضرور ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ ایرانی اس شہر کو فتح نہیں کرسکتے۔"

"جناب مجھے بھی یقین ہے کہ فوکاس جیسے ظالم حکمران سے نجات حاصل کرنے کے بعد قسطنطنیہ کے حالات بدل چکے ہیں اور ہمارا نیا شہنشاہ میدان میں آتے ہی ایرانیوں کا منہ پھیر دے گا۔"

عاصم کو روم اور ایران کی جنگوں سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ اُسے اس بات سے بھی کوئی سروکار نہ تھا کہ فوکاس کس قدر ظالم تھا اور نئے قیصر کے عزائم کیا ہیں، وہ صرف اتنا جانتا تھا کہ یہ سادہ دل کسان اُس کو ایک رومی افسر سمجھ رہا ہے اور وہ اُسے یہ نہیں بتا سکتا کہ میرا ظاہری لباس تمہیں دھوکا دے رہا ہے۔ تاہم یہ تصنع اُس کے جبلی مزاج کے خلاف تھا اور ندامت کے احساس سے اُس کی گردن جھکی جارہی تھی۔

بوڑھے کو اس بات کی خوشی تھی کہ رومی فوج کا ایک بڑا عہدہ دار اُس سے ہمکلام ہے۔ وہ مشرق و مغرب کے تازہ ترین حالات معلوم کرنے کے لئے بیتاب تھا اور عاصم اپنے دل پر جبر کرکے اُس کے ہر الٹے سیدھے سوال کا جواب دینے کی کوشش کر رہا تھا۔ جب درختوں کے سائے طویل ہونے لگے تو اُس نے فسطینہ کی ماں کا بازو ہلا کر اُسے جگایا۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور پریشانی کی حالت میں بوڑھے کسان اور اُس کے بیٹے کی طرف دیکھنے لگی۔

عاصم نے کہا۔ "آپ خاصی دیر سو چکی ہیں، اب ہمیں تاخیر نہیں کرنی چاہیئے۔ ہمارے گھوڑے بھی تازہ دم ہو چکے ہیں۔ یہ شریف آدمی اُن کے لئے چارہ لے آیا تھا۔"

ماں نے کسی توقف کے بغیر فسطینہ کو جگا دیا۔ اور تھوڑی دیر بعد یہ لوگ اپنے گھوڑوں پر سوار ہو رہے تھے۔

بوڑھے کسان نے کہا۔ "جناب! اب تو شام ہونے والی ہے اگر آپ آج رات میرے ہاں ٹھہر سکتے تو مجھے بہت خوشی ہوتی۔"

"نہیں! ہمارے لئے بلا تاخیر دمشق پہنچنا ضروری ہے۔ اگر میں دوبارہ اس راستے سے گزرا تو آپ کے پاس ضرور ٹھہروں گا۔ ہاں! دیکھیے، اگر گاؤں کے باہر سے کوئی راستہ سڑک سے ملتا ہے تو ہمیں اُس پر ڈال دیجئے۔ اِس وقت مجھے گاؤں میں سے گزرنا پسند نہیں۔ میں راستے میں جتنے آدمیوں سے ملا ہوں وہ مجھ سے عجیب و غریب سوال کرتے ہیں۔ اور مجھے ان کی باتوں سے بہت الجھن ہوتی ہے۔"

"ہاں جناب! ان دنوں ایرانیوں کی پیش قدمی کے باعث چاروں طرف افراتفری پھیلی ہوئی ہے اور عام لوگ یہی خیال کرتے

ہیں کہ ملک کے حالات رومیوں سے بہتر کوئی نہیں جانتا۔ لیکن آپ کو گاؤں میں جانے کی ضرورت نہیں۔ اگر آپ ندی کے اِسی کنارے چلتے رہیں تو تھوڑی دور آگے جا کر آپ کو ایک پگڈنڈی ملے گی جو گاؤں سے باہر دمشق کی سڑک سے جا ملتی ہے۔ اگر آپ حکم دیں تو میں اپنے لڑکے کو آپ کے ساتھ کر دیتا ہوں۔"

"نہیں! اسے تکلیف دینے کی ضرورت نہیں۔"

فسطینہ کی ماں نے سونے کا ایک سکہ بوڑھے کی طرف پھینکتے ہوئے کہا۔ "لو! یہ تمہارا انعام ہے۔"

کسان زمین سے سکہ اٹھانے کی بجائے سراپا احتجاج بن کر عاصم کی طرف دیکھنے لگا ————

عاصم گھوڑے سے کود کر آگے بڑھا اور اُس نے زمین پر پڑا ہوا سکہ اٹھا کر اُس کے بیٹے کو پیش کرتے ہوئے کہا۔ "لیجئے یہ صرف انعام ہے۔"

لڑکے نے اپنے باپ کی طرف دیکھا اور اُس کا اشارہ پا کر عاصم کے ہاتھ سے سکہ لے لیا۔ عاصم دوبارہ گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ تھوڑی دور آگے جا کر عاصم مڑا اور فسطینہ کی ماں کی طرف دیکھ کر بولا۔ "وہ کسان غریب ضرور تھا لیکن بھکاری نہیں تھا، آپ کو اُس کی دل آزاری نہیں کرنی چاہیئے تھی۔"

عورت نے ندامت کا اظہار کرنے کی بجائے تلخ ہو کر کہا۔ "اگر ہم اُسے کچھ نہ دیتے تو وہ ہمیں بھکاری سمجھتا۔ میں نے یہ بات آج تک نہیں سنی کہ سونا دیکھ کر کسی شامی کی دل آزاری ہو سکتی ہے۔ آپ کو اُس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے گھوڑے سے اُترنے کی ضرورت نہ تھی۔"

اس مغرور خاتون کے تیور صاف بتا رہے تھے کہ مجھے صرف یروشلم کے رومی حاکم کا خوف ہے۔ لیکن میں فلاں کی بیٹی اور فلاں کی بیوی ہوں اور کوئی بڑی سے بڑی مصیبت بھی میری نگاہ میں ایک شامی کسان کا درجہ اونچا نہیں کر سکتی۔

عاصم نے اضطراب کی حالت میں اُس کی طرف دیکھا لیکن اِس مسئلہ پر مزید بحث کی ضرورت محسوس نہ کی۔ اور وہ کسان جو ابھی تک ٹیلے پر کھڑا تھا اپنے بیٹے سے یہ کہہ رہا تھا۔ "مجھے یقین ہے کہ وہ عورت کسی امیر اور با اثر رومی گھرانے سے تعلق رکھتی ہے لیکن وہ اُس نوجوان کی ماں نہیں ہو سکتی۔ آج گاؤں کا کوئی آدمی نہیں مانے گا کہ ایک رومی نے مجھ سے ایک دوست کی طرح باتیں کی ہیں۔ لیکن تم یہ دیکھ چکے ہو کہ وہ میرے ساتھ کس قدر ادب سے پیش آتا تھا۔ اُس نے وعدہ کیا ہے کہ آئندہ میں تمہارے گھر ٹھہرا کروں گا۔ ایسا شریف آدمی چھوٹا نہیں ہو سکتا۔ مجھے یقین ہے کہ وہ دمشق

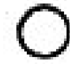
پہنچتے ہی تمہارے بھائی کو تلاش کرے گا، اور یہ بھی ممکن ہے کہ تمہارے بھائی کو اس کی مدد سے فوج میں ترقی مل جائے۔"

نوجوان نے کہا۔"لیکن مجھے تو اُس کی باتوں سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ رومی نہیں ہے؟"

"تم بیوقوف ہو اگر وہ ایک چرواہے کے لباس میں ہوتا تو بھی مجھے اُس کے رومی ہونے میں شک نہ ہوتا۔ تم نے ایک نہایت احمقانہ بات کی تھی اگر وہ عالی نسب نہ ہوتا تو ہماری شامت آجاتی۔"

"لیکن میں حیران ہوں کہ اُسے ہمارے گاؤں سے گزرنا کیوں پسند نہ تھا۔ کوئی ایسی بات تھی جسے وہ چھپانا چاہتا تھا۔"

بوڑھے نے جھنجھلا کر کہا۔"ارے پاگل! گاؤں میں وہ اس لئے داخل نہیں ہوا کہ وہاں تم جیسے بے وقوفوں کی کمی نہیں۔ اور وہ ہر مسافر کا راستہ روک کر عجیب و غریب سوال کرتے ہیں۔"



غروب آفتاب تک عاصم اور اُس کے ساتھی چند کوس اور سفر کر چکے تھے۔ شام کے وقت سڑک کے قریب انہیں ایک چھوٹی سی بستی دکھائی دی۔ عاصم نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔"ہمارے لئے سڑک کے قریب بستی میں ٹھہرنا مناسب نہیں۔ اس لئے ہم یہاں سے گھوڑوں کو پانی پلاتے ہی روانہ ہو جائیں گے اور کچھ دور آگے کسی موزوں جگہ قیام کریں گے۔"

فسطینہ کی ماں نے کہا۔"ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔ اگر آپ چاہیں تو ہم آدھی رات تک سفر کر سکتے ہیں۔"

وہ سڑک سے اتر کر بستی کے ایک کنوئیں پر پہنچے۔ وہاں چند دیہاتی پانی بھر رہے تھے۔ انہوں نے ان مسافروں اور ان کے گھوڑوں کو پانی پلایا۔ عاصم نے احتیاطاً اپنا مشکیزہ بھی بھر لیا۔ جب وہ وہاں سے روانہ ہونے لگے تو بستی کے ایک معمر آدمی نے انہیں رات کے وقت اپنے ہاں ٹھہرنے کی دعوت دی لیکن عاصم نے اپنے گھوڑے کی باگ موڑتے ہوئے جواب دیا۔"آپ کا شکریہ! لیکن ہم اگلی بستی میں قیام کرنا چاہتے ہیں۔"

ایک نوجوان نے معمر آدمی سے کہا۔"تم عجیب آدمی ہو۔ اگر وہ تمہاری دعوت قبول کر لیتے تو ہمارے پاس انہیں ٹھہرانے کے لئے کون سی جگہ تھی؟"

بوڑھے نے جواب دیا۔"بھئی! مجھے معلوم تھا کہ ایک رومی افسر یہاں نہیں ٹھہرے گا۔ اور اسی لئے میں نے

سے دعوت دی تھی۔"

ایک اور آدمی نے کہا۔"میں نے آج تک کسی رومی افسر کو رات کے وقت ایک مسلح دستے کے بغیر سفر کرتے نہیں دیکھا، اور اُسے یہ بھی معلوم نہ تھا کہ اگلی بستی یہاں سے ایک منزل دُور ہے۔"

بوڑھے نے کہا۔"بھئی ایسے گھوڑوں پر چند میل چلنا کون سا مشکل ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ پیچھے اُن کے ساتھی آرہے ہوں۔"

عاصم اور اُس کے ساتھیوں نے دوبارہ سڑک پر پہنچتے ہی اپنے گھوڑوں کی رفتار تیز کر دی۔ تھوڑی دیر بعد یہ سڑک ایک ایسے وسیع میدان سے گزر رہی تھی جہاں انسانی آبادی کے کوئی آثار دکھائی نہ دیتے تھے۔ آسمان صاف تھا اور فضا میں دسویں رات کے چاند کی روشنی پھیلی ہوئی تھی ——— سڑک کے دونوں کناروں پر ریت کے ٹیلوں کے درمیان کہیں کہیں چھوٹی چھوٹی جھاڑیاں دکھائی دیتی تھیں۔ کچھ دیر سرپٹ دوڑنے کے بعد اُن کے تھکے ہوئے گھوڑے معمولی رفتار سے چل رہے تھے۔ اچانک عاصم نے اپنی گھوڑے کی باگ کھینچ لی اور مڑ کر پیچھے دیکھنے لگا۔ فسطینہ اور اُس کی ماں نے بھی پریشان ہو کر اپنے گھوڑے روک لئے۔

فسطینہ نے مضطرب ہو کر پوچھا۔"کیوں کیا بات ہے؟"

عاصم نے ہاتھ سے اشارہ کیا اور اُسے اپنا سوال دہرانے کی جرأت نہ ہوئی۔ چند ثانیے یہ تینوں دم بخود کھڑے رہے۔ پھر عاصم نے کہا۔"کوئی آرہا ہے۔ مجھے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سنائی دے رہی ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ وہ ہمارا پیچھا کر رہے ہوں۔ تاہم ہمیں راستے سے ایک طرف ہٹ کر اُن کے گزر جانے کا انتظار کرنا چاہئے۔ آئیے!" عاصم نے اپنے گھوڑے کو دائیں طرف موڑ کر ایڑ لگا دی اور فسطینہ اور اُس کی ماں کچھ کہے بغیر اُس کے پیچھے چل پڑیں۔ تھوڑی دیر بعد وہ ریت کے ایک ٹیلے کی آڑ میں کھڑے تھے۔ اور فسطینہ سہمی ہوئی آواز میں کہہ رہی تھی۔ "مجھے یقین ہے کہ وہ گورنر کے آدمی ہیں۔ آپ وعدہ کریں کہ اگر وہ ہمیں گرفتار کر کے یروشلم لے گئے تو آپ اُن سے بچ کر دمشق پہنچنے کی کوشش کریں گے اور میرے نانا کو خبردار کر دیں گے۔"

عاصم نے جواب دیا۔"وہ اس وقت ہمیں سڑک سے نہیں دیکھ سکتے لیکن اگر وہ اس طرف آبھی جائیں تو بھی آپ کو خوفزدہ نہیں ہونا چاہئے۔ یہ چار سوار آپ کو گرفتار نہیں کر سکتے۔ میرا ترکش تیروں سے بھرا ہوا ہے۔"

فسطینہ نے کہا۔ "آپ کو یہ کیسے معلوم ہُوا کہ وہ صرف چار ہیں؟"

عاصم نے جواب دیا۔ "میرے لئے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سننے کے بعد اُن کی تعداد کا اندازہ لگانا مشکل نہیں۔ میں ایک عرب ہوں ــــ لیکن آپ اطمینان رکھیئے، وہ اس طرف نہیں آئیں گے۔ اگر پچھلی بستی کے لوگوں نے اُن کی رہنمائی کی ہے تو وہ اگلی بستی میں داخل ہونے سے پہلے کسی جگہ نہیں رُکیں گے۔"

عاصم کے یہ الفاظ فسطینہ اور اُس کی ماں کی تسلی کے لئے کافی نہ تھے، وہ دم بخود ہو کر اُس کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ تھوڑی دیر بعد گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز قریب سنائی دینے لگی اور عاصم نے فسطینہ سے مخاطب ہو کر کہا۔ "میرا خیال غلط نہ تھا وہ صرف چار ہیں۔"

فسطینہ کی ماں نے کہا۔ "اب ہمارے لئے سڑک پر سفر کرنا خطرناک ہوگا۔"

عاصم نے جواب دیا۔ "اب ہمیں سڑک پر جانے کی ضرورت نہیں۔ آئیے۔"

وہ کچھ کہے بغیر اُس کے پیچھے چل پڑیں، لیکن ایک گھنٹہ سفر کرنے کے بعد فسطینہ کی ماں نے کہا۔ "آپ کس طرف جا رہے ہیں۔"

"دمشق کی طرف"، اُس نے اطمینان سے جواب دیا۔

"آپ کو یقین ہے کہ آپ اِس صحرا میں راستہ نہیں بھول جائیں گے۔"

"آپ گھبرائیں نہیں میں ستاروں سے اپنا راستہ دیکھ سکتا ہوں۔ لیکن اب ہم زیادہ دیر سفر نہیں کریں گے میں قیام کے لئے کوئی موزوں جگہ دیکھ رہا ہوں ــــ آج کی رات آپ کو آسمان کی چھت کے نیچے سونا پڑے گا۔"

وہ پریشانی اور اضطراب کی حالت میں کچھ دیر اور عاصم کے پیچھے چلتی رہیں۔ بالآخر عاصم نے ریت کے چند بلند ٹیلوں کے درمیان رکتے ہوئے کہا۔ "میرے خیال میں یہ جگہ موزوں ہے۔"

وہ گھوڑوں سے اُتر پڑے۔ عاصم نے گھوڑوں کو جھاڑیوں سے باندھ دیا۔ پھر اُس نے ادھر اُدھر سے کچھ سوکھی لکڑیاں اور گھاس کے تنکے جمع کئے اور اپنی خرجین سے چقماق نکال کر آگ جلانے میں مصروف ہو گیا۔

فسطینہ اور اس کی ماں خاموشی سے ایک طرف بیٹھی اُس کی کارگزاری دیکھ رہی تھیں۔ جب آگ سلگنے لگی تو فسطینہ کی ماں نے کہا۔ "یہاں آگ جلانا خطرناک تو نہ ہوگا؟"

"نہیں۔" اُس نے اطمینان سے جواب دیا۔ "ہم سڑک سے خاصی دور ہیں۔ اور اس سردی میں آگ کے بغیر رات گزارنا بہت مشکل ہوگا۔ آپ الاؤ کے قریب آ جائیں۔"

وہ اٹھ کر آگ کے قریب بیٹھ گئیں اور فسطینہ نے اپنے ہاتھ پھیلاتے ہوئے کہا۔ "میرا جسم سُن ہو رہا ہے اور میں ابھی یہ سوچ رہی تھی کہ اس بیابان میں اچانک ہمیں کوئی خانقاہ دکھائی دے گی اور جب ہم اُس کے دروازے پر دستک دیں گے تو کوئی نیک دل راہب باہر نکل کر ہمارا خیر مقدم کرے گا۔ اور ہمیں یہ مژدہ سنائے گا کہ تمہارے لئے اندر ایک کشادہ کمرے میں آگ جل رہی ہے۔ اس وقت مجھے آگ سے زیادہ کسی چیز کی خواہش نہ تھی۔"

عاصم نے خرجین سے ایک اونی چادر نکال کر زمین پر بچھاتے ہوئے کہا۔ "آپ یہاں بیٹھ جائیں۔ میں کچھ اور ایندھن جمع کر لوں۔"

جب عاصم اپنی تلوار سے ایک جھاڑی کاٹ رہا تھا تو فسطینہ اٹھی اور کٹی ہوئی شاخیں اٹھا اٹھا کر الاؤ کے قریب ڈھیر کرنے لگی۔

عاصم نے کہا۔ "آپ تکلیف نہ کریں۔ یہ جھاڑیاں کانٹوں سے بھری ہوئی ہیں۔"

فسطینہ نے جواب دیا۔ "اس سفر کے بعد مجھے یہ کانٹے تکلیف نہیں دے سکتے۔"

تھوڑی دیر بعد وہ الاؤ کے گرد بیٹھے دوپہر کا بچا ہوا کھانا کھا رہے تھے۔ گذشتہ کئی گھنٹے کی بے آرامی کے باعث عاصم پر نیند کا غلبہ ہو رہا تھا، لیکن فسطینہ اور اُس کی ماں کے لئے ایک ویرانے میں رات بسر کرنے کا یہ پہلا موقع تھا اور وہ نیند یا تھکاوٹ کی بجائے خوف محسوس کر رہی تھیں۔ ماں اپنی آنکھوں کے اشاروں سے اپنی بیٹی کو یہ سمجھا رہی تھی کہ ہم ایک خطرے سے بچنے کے لئے دوسرا خطرہ مول لے چکے ہیں۔ یہ نوجوان بہرحال ایک اجنبی ہے اور اگر اُس نے ہماری بے بسی سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی تو ہم اِس ویرانے میں کیا کر سکیں گے۔ لیکن جب وہ عاصم کی طرف دیکھتیں تو انہیں ایسا محسوس ہوتا کہ اُن کے دِل کا بوجھ ہلکا ہو رہا ہے۔

چانک فسطینہ کی ماں نے کہا۔ "میں آپ کا نام پوچھ سکتی ہوں۔"

"میرا نام عاصم ہے۔" اُس نے جواب دیا۔

وہ قدرے توقف کے بعد بولی۔ "یہ ہماری خوش قسمتی تھی کہ آپ سرائے میں موجود تھے اور ہمیں دمشق پہنچانے

کا خطرہ مول لینے کو تیار ہو گئے۔"

عاصم نے جواب دیا۔"جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے، میں دمشق جانے میں کوئی خطرہ محسوس نہیں کرتا۔ میری صرف یہ خواہش ہے کہ آپ بخیریت اپنے گھر پہنچ جائیں۔"

"میں کبھی اس احسان کا بدلہ نہیں دے سکوں گی۔"

عاصم نے جواب دیا۔"میں نے اپنی خوشی سے یہ ذمہ داری قبول کی تھی۔"

فسطینہ نے پوچھا۔"اگر وہ سوار ہم پر حملہ کر دیتے تو آپ کیا کرتے؟"

عاصم مسکرایا۔"مجھے معلوم نہیں۔ لیکن میرا خیال ہے کہ میرے ترکش کے چند تیر یقیناً کم ہو جاتے۔"

"اور اگر وہ زیادہ ہوتے تو؟"

"تو مجھے زیادہ تیر ضائع کرنے پڑتے۔ کم از کم میں آپ کو گرفتار ہوتے دیکھنا پسند نہ کرتا ـــــ معاف کیجئے آپ کا یہ مشورہ میرے لئے ناقابلِ قبول تھا کہ اگر وہ حملہ کر دیں تو مجھے لڑنے کی بجائے دمشق پہنچ کر آپ کے گھر اطلاع دینی چاہئے ـــــ جب میں اپنے وطن سے نکل کر شام کا رُخ کر رہا تھا تو میں نے اپنی تلوار اتار کر پھینک دی تھی اور اپنے دل میں یہ عہد کیا تھا کہ اب میں کسی لڑائی میں حصہ نہیں لوں گا۔ لیکن آپ کی حفاظت کی ذمہ داری قبول کرنے کے بعد جب میں نے سرائے کے مالک سے یہ تلوار حاصل کی تھی تو مجھے اس بات کا یقین ہو چکا تھا کہ اگر آپ کو راستے میں کوئی خطرہ پیش آیا تو میں اپنے عہد پر قائم نہیں رہ سکوں گا۔"

فسطینہ نے کہا۔"آپ ہماری خاطر اپنی زندگی خطرے میں ڈالنا قبول کر لیتے؟"

عاصم نے جواب دیا۔"آپ کو میرے متعلق یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہئے کہ مجھے زندگی سے کوئی دلچسپی ہے۔"

فسطینہ کی ماں نے غور سے عاصم کی طرف دیکھا اور اُسے اپنے شبہات پر ندامت محسوس ہونے لگی۔"آپ نے ہم سے یہ نہیں پوچھا کہ ہم کون ہیں اور کس مصیبت میں مبتلا ہیں۔"

عاصم نے جواب دیا۔"مجھے پوچھنے کی ضرورت نہ تھی۔ میں ایک مصیبت زدہ انسان کا چہرہ پہچان سکتا ہوں تاہم اگر آپ مجھے اپنے حالات بتا سکیں تو میری بہت سی الجھنیں دور ہو جائیں گی۔ لیکن اگر کوئی ایسی بات ہے جسے ظاہر کرنا آپ مناسب خیال نہیں کرتیں تو میں اصرار نہیں کروں گا۔"

فسطینہ کی ماں نے کہا۔"اگر اب بھی میں آپ پر اعتماد نہ کروں تو یہ احسان فراموشی ہو گی۔ سنیئے:

میرا نام یوسیبیا ہے۔ اور فسطینہ میری بیٹی ہے۔ میں ایک یونانی خاندان سے تعلق رکھتی ہوں۔ میرا دادا فوج میں بھرتی ہو کر قسطنطنیہ سے دمشق آ گیا تھا۔ اپنی ذہانت اور کارگزاری کی بدولت وہ دمشق کی فوج کا سالارِ اعلیٰ بن گیا اور ایک شامی خاندان کی لڑکی سے شادی کرنے کے بعد مستقل طور پر وہیں آباد ہو گیا۔

جب میں پندرہ برس کی تھی تو میرے والد تھیوڈوسیس ایران کی سرحد کے قریب ایک قلعے کے محافظ تھے میری ماں فوت ہو چکی تھی اور وہ مجھے اپنے پاس لے آئے تھے۔ اپنے باقی خاندان کے متعلق مجھے صرف یہ معلوم تھا کہ میری پیدائش سے قبل جب ایرانیوں نے حملہ کیا تھا تو میرے والد کے دو بھائی انطاکیہ کی حفاظت کرتے ہوئے مارے گئے تھے اور میرے دادا اور دادی اس حادثہ سے دو سال قبل وفات پا چکے تھے۔

ایک لڑکی کے لئے سرحد کا یہ دور افتادہ قلعہ قطعاً موزوں نہ تھا۔ لیکن اب میرے والد کی زندگی کی سب سے بڑی خواہش یہی تھی کہ میں ہمیشہ اُن کے پاس رہوں۔ وہ فرصت کے لمحات میں مجھے سواری اور تیراندازی سکھایا کرتے اور اس بات کی ہر ممکن کوشش کرتے تھے کہ مجھے تنہائی کا احساس نہ ہو۔ مجھے اپنے والد کے ساتھ رہتے ہوئے کوئی چار مہینے گزرے تھے کہ ایران سے انقلاب کی خبریں آنے لگیں۔ پھر ایک رات پچھلے پہر میں گہری نیند سو رہی تھی کہ میرے والد نے مجھے جگایا اور کہا۔"بیٹی اگر تم ایران کے شہنشاہ کو دیکھنا چاہتی ہو تو اپنا لباس تبدیل کر کے باہر آ جاؤ۔"

میرے لئے یہ بات ناقابلِ یقین تھی، لیکن چند سوال کرنے کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ ایران کی سلطنت پر وہاں کے سپہ سالار بہرام نے قبضہ کر لیا ہے اور خسرو پرویز مدائن سے فرار ہو کر یہاں پہنچنے والا ہے۔ میرے والد ایران میں خانہ جنگی کی خبریں سُن کر بہت خوش ہوا کرتے تھے، لیکن خسرو پرویز کو اس قلعے میں پناہ دینے کا مسئلہ بہت نازک تھا۔ انہیں معلوم نہ تھا کہ قیصر کے دربار سے اُس کے لئے دوستی کا پیغام آئے گا یا وہ اُس کی گردن اڑا دینے کا حکم بھیجیں گے۔ بہرحال وہ ایک شہنشاہ تھا اور میرے والد ایرانیوں سے انتہائی نفرت کے باوجود اُس کا استقبال کرنے کے لئے مجبور تھے۔

مجھے ایرانیوں کے تصور سے خوف آتا تھا لیکن ایک شہنشاہ کو دیکھنے کی خواہش میرے خوف پر غالب آ گئی، میں اپنا بہترین لباس پہن کر باہر نکلی تو صبح ہو رہی تھی اور قلعے کے دروازے پر تمام افسر اور سپاہی قطاریں باندھے کھڑے تھے۔ یہاں اُس نوجوان سے میری پہلی ملاقات ہوئی جو میرا رفیق حیات بننے والا تھا۔ وہ بیش قیمت

لباس پہنے ہوئے تھا اور اُس کا چہرہ اُس کے عالی نسب ہونے کی گواہی دے رہا تھا۔ اُس کی تلوار کے دستے میں بیش قیمت جواہرات چمک رہے تھے ـــــ وہ میرے باپ سے باتیں کر رہا تھا اور دو ایرانی جو اُس کے نوکر معلوم ہوتے تھے، ادب سے اُس کے پیچھے کھڑے تھے۔ میں کچھ دیر تذبذب کی حالت میں چند قدم دُور کھڑی رہی۔ بالآخر میرے باپ نے میری طرف دیکھ کر اشارہ کیا اور میں جھجکتی ہوئی آگے بڑھی۔ مجھے یقین ہو چکا تھا کہ ایران کا شہنشاہ یہی ہے لیکن جب میں نے اُسے جھک کر سلام کیا تو میرے والد اور فوج کے دوسرے افسر اپنی ہنسی ضبط نہ کر سکے۔

یہ نوجوان ایران کا شہنشاہ نہ تھا بلکہ اُس کا ایک وفادار ساتھی تھا۔ جس نے رات کے وقت میرے والد کو پرویز کی آمد کی اطلاع دی تھی۔"

یوسیبیا اس ملاقات کی ایک ایک تفصیل بیان کرنا چاہتی تھی لیکن فسطینہ نے اُسے ٹوکتے ہوئے کہا۔ "اماں! آپ ہر ایک کے سامنے یہ قصہ لے بیٹھتی ہیں۔ بھلا ان کو اس سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے؟ انہیں آرام کرنے دیجئے۔"

یوسیبیا نے غصے کی حالت میں اپنی بیٹی کی طرف دیکھا اور پھر عاصم کی طرف متوجہ ہو کر بولی۔ "میں آپ کو سارے واقعات سنا کر پریشان نہیں کروں گی۔ اس نوجوان کا نام سین تھا اور اُس سے میری دلچسپی کی پہلی وجہ یہ تھی کہ وہ انتہائی بے تکلفی سے ہماری زبان میں گفتگو کر سکتا تھا۔ بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ اُس کی ماں، اُن ہزاروں لڑکیوں میں سے ایک تھی جنہیں نوشیرواں کی فتوحات کے زمانے میں ایرانی آرمینیا اور شام کے شہروں سے پکڑ کر اپنے ساتھ لے گئے تھے۔

خسرو پرویز اور اُس کے ساتھیوں نے ہمارے قلعے میں صرف ایک روز قیام کیا اور اگلے دن، چند کوس دور ایک شہر کے حاکم کے پاس چلے گئے۔ اور قسطنطنیہ سے قیصر کا پیغام آنے تک انہیں وہیں ٹھہرنا پڑا۔ اس عرصہ میں سین ایک مرتبہ سیر و شکار کے بہانے ہمارے پاس آیا اور تین دن اس قلعے میں مہمان رہا۔ اُس کے دورانِ قیام میں، میں یہ محسوس کرنے لگی کہ ایرانیوں سے میری نفرت بتدریج کم ہو رہی ہے۔ وہ آتش پرست تھا لیکن اُس کی باتوں سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ عیسائیوں سے نفرت نہیں کرتا۔ میرے والد کسی ایرانی کو اپنا دوست سمجھنے کے لئے تیار نہ تھے، لیکن سین ایران کے شہنشاہ کا خاص آدمی تھا اس لئے وہ اس کی خاطر مدارت کرنے پر مجبور تھے۔ پھر انہیں یہ بھی خیال تھا کہ شہنشاہ موریس ایران سے دوستانہ تعلقات استوار کرنے کا یہ زریں مو

پسند نہیں کریں گے اور خسرو پرویز کو اپنا کھویا ہوا تخت و تاج حاصل کرنے کے لئے ہر ممکن مدد دی جائے گی۔ سین بار بار ہمیں اس بات کا یقین دلانے کی کوشش کرتا تھا کہ اگر پرویز رومیوں کی مدد سے اپنی سلطنت پر دوبارہ قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گیا تو ایران اور روم کی جنگ ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے گی اور اس کے برعکس اگر ایران میں بہرام کے قدم جم گئے تو وہ عوام کی حمایت حاصل کرنے کے لئے روم پر چڑھائی کر دے گا۔ سین کے قیام کے آخری دن، میں شام کے قریب گھوڑے پر سیر کر کے واپس آ رہی تھی کہ وہ قلعے سے کچھ دُور ٹہلتا ہوا دکھائی دیا۔ اُس نے میری طرف دیکھ کر ہاتھ سے اشارہ کیا اور میں بادلِ ناخواستہ رک گئی۔ اُس نے گھوڑے کی باگ پکڑتے ہوئے کہا۔ "میں کل صبح ہوتے ہی یہاں سے روانہ ہو جاؤں گا۔ اور پھر شاید مدت تک آپ کو نہ دیکھ سکوں۔ چند دن تک قیصر کا حکم پہنچ جائے گا اگر انہوں نے ہماری مدد کی تو ہم مدائن پر حملہ کر دیں گے۔"

میں نے گھبرا کر کہا۔ "چلئے، میرا یہاں آپ سے باتیں کرنا ٹھیک نہیں۔"

اُس نے کہا۔ "آپ کو مجھ سے خوف آتا ہے؟"

میں نے جواب دیا۔ "نہیں۔ اگر آپ ایران کے بادشاہ ہوتے تو بھی مجھے آپ سے خوف نہ آتا۔"

اُس نے کہا۔ "اگر میں ایران کا بادشاہ ہوتا تو اپنا تاج اتار کر تمہارے قدموں میں ڈال دیتا۔"

میں کچھ دیر سکتے کے عالم میں اُس کی طرف دیکھتی رہی۔ پھر میں نے اچانک اُس کے ہاتھ سے باگ چھین لی اور گھوڑے کو چابک رسید کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد میں اپنے کمرے میں داخل ہوئی تو میرا دل دھڑک رہا تھا اور ٹانگیں کانپ رہی تھیں۔ میں نے آئینے میں اپنا چہرہ دیکھا تو مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میری رگوں کا سارا خون سمٹ کر میرے چہرے میں آگیا ہے۔ رات کے وقت جب والد نے مجھے دسترخوان پر بلایا تو میں سر کے درد کا بہانہ کر کے اپنے بستر پر پڑی رہی ـــ سین اگلے دن چلا گیا اور کچھ عرصہ بعد جب روم کے لشکر نے پرویز کی مدد کے لئے مدائن کی طرف کوچ کیا تو میرے والد کو بھی اُس کا ساتھ دینا پڑا۔ میرا تنہا قلعے میں رہنا مناسب نہ تھا۔ اس لئے مجھے والد کے ایک دوست کے گھر پہنچا دیا گیا، جو پڑوس کے شہر کا حاکم بھی تھا۔ قلعے میں میرے والد کا قائم مقام انڈرونیکس تھا۔ یہ آدمی کسی صورت اس منصب کا اہل نہ تھا لیکن وہ قسطنطنیہ کے ایک با اثر خاندان سے تعلق رکھتا تھا اور گورنر نے اُس کی سفارش کی تھی۔ ان دنوں یہی انڈرونیکس یروشلم کا حاکم ہے۔ اور مجھ سے اُس کی

دشمنی کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ جب میرے والد کی غیر موجودگی کے دنوں میں وہ میرے پاس شادی کا پیغام لے کر آیا تھا تو میں نے اُس کے منہ پر چپت رسید کر دی تھی۔

بہرام کو شکست دینے اور خسرو پرویز کو تخت پر بٹھانے کے بعد جب میرے والد واپس آئے تو میں بھی شہر سے قلعے میں آ گئی۔ رات کے وقت میں اُن کے ساتھ کھانا کھا رہی تھی اور وہ مجھے مدائن کے حالات بتا رہے تھے۔ اچانک میں نے سین کے متعلق پوچھا اور وہ میری طرف غور سے دیکھنے لگے۔ پھر انہوں نے کہا "بیٹی سین چند دن تک یہاں آ رہا ہے۔" "وہ یہاں کیوں آ رہا ہے؟" میں نے پریشان ہو کر سوال کیا

وہ بولے "تمہیں معلوم نہیں؟"

میرا دل دھڑکنے لگا۔ آخری ملاقات کے بعد مجھے سین کے الفاظ اکثر یاد آیا کرتے تھے، پھر بھی میں یہ اطمینان محسوس کرتی تھی کہ وہ دوبارہ مجھے پریشان نہیں کرے گا۔ لیکن اب وہ پھر آ رہا تھا اور میں خوشی سے زیادہ خوف محسوس کر رہی تھی۔ تاہم میں نے کہا "ابا جان کیا بات ہے آپ پریشان کیوں ہیں؟"

انہوں نے کہا "بیٹی سین نے تم سے شادی کا پیام دیا ہے اور ہماری فوج کے سپہ سالار نے اس کی سفارش کی ہے۔ وہ یہ کہتا تھا کہ خسرو پرویز نے ذاتی طور پر مجھ سے درخواست کی ہے کہ میں اس مسئلہ میں اپنا اثر و رسوخ استعمال کروں۔ ہماری فوج کے دوسرے افسر بھی مجھے یہ سمجھاتے تھے کہ یہ شادی ایران اور روم کے تعلقات کے لئے ایک اچھا شگون ثابت ہو گی۔"

میں اضطراب کی حالت میں کھڑی ہو گئی لیکن میرے والد نے مجھے پکڑ کر اپنے قریب بٹھا لیا اور کہا "بیٹی میرے لئے اُن سب کا مقابلہ کرنا بہت مشکل ہو گا۔ اگر یہ معاملہ شہنشاہ موریس کے پاس پہنچا تو مجھے یقین ہے کہ وہ بھی پرویز کی حمایت کریں گے۔ سین ایران کے شہنشاہ کو بہت عزیز ہے۔ لیکن اگر تمہاری مرضی نہ ہو تو تمہیں اُس سے شادی کرنے پر کوئی مجبور نہیں کر سکتا۔ میں وہاں یہ کہہ آیا ہوں کہ اگر میری بیٹی رضامند ہوئی تو میں مخالفت نہیں کروں گا۔ اب اگر تم اِس شادی سے بچنا چاہتی ہو تو تمہیں سین کے سامنے انکار کرنا پڑے گا۔ میں اُس سے یہ وعدہ کر آیا ہوں کہ اُسے براہ راست تم سے گفتگو کرنے کا موقع دیا جائے گا۔ اور اُس نے یہ بات مان لی ہے کہ اگر تم انکار کر دو تو وہ تمہیں دوبارہ پریشان نہیں کرے گا۔ وہ شاید اسی مہینے یہاں پہنچ جائے، اور تمہیں اقرار یا انکار کرنے سے پہلے اچھی طرح

سوچ لینا چاہئیے کہ تم اپنے فیصلے پر کہاں تک قائم رہ سکو گی۔"

اگلے روز میرے والد نے مجھ سے پوچھا "یوسیبا! انڈرونیکس کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے۔ اُس نے بھی آج تمہارے رشتے کی درخواست کی ہے۔ میں نے فی الحال اُسے ٹال دیا ہے لیکن میرا خیال ہے کہ اگر وہ تمہیں پسند آ جائے تو ہمارے لئے سین کو جواب دینا آسان ہو جائے گا۔"

میں نے غصے کی حالت میں انہیں یہ بتایا کہ انڈرونیکس نے مجھے آپ کی غیر حاضری میں ورغلانے کی کوشش کی تھی اور میں اُسے مناسب جواب دے چکی ہوں۔ اب اُسے آپ کے سامنے منہ کھولنے کی جرأت نہیں کرنی چاہئیے تھی۔ میں اُسے انتہائی قابل نفرت انسان سمجھتی ہوں۔ اور یہ بھی جانتی ہوں کہ اگر وہ انطاکیہ کے گورنر کا رشتہ دار نہ ہوتا تو آپ اُسے اپنا نوکر رکھنا بھی پسند نہ کرتے۔

میری باتوں کا یہ نتیجہ نکلا کہ والد نے اُسی دن انڈرونیکس کو اس کی خدمات سے سبکدوش کر کے انطاکیہ روانہ کر دیا۔

چند دن بعد سین بھی آ گیا۔ مدائن کے رومی سفیر کا ایک خاص ایلچی اور چند ایرانی امراء اُس کے ساتھ تھے۔

جب سین نے ان سب کی موجودگی میں مجھ سے شادی کی درخواست کی تو میری زبان گنگ ہو گئی اور میں جواب دینے کی بجائے اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف بھاگ گئی ——— اُس نے میرا پیچھا کیا اور جب میں اپنے ہاتھوں میں منہ چھپا کر سسکیاں لے رہی تھی تو وہ کہہ رہا تھا "یوسیبا تم مجھ سے اس لئے نفرت کرتی ہو کہ میں آتش پرست ہوں۔ لیکن میں زرتشت کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں تمہارے مذہبی معاملات میں مداخلت نہیں کروں گا ——— تمہیں معلوم نہیں کہ خسرو پرویز بھی ایک عیسائی لڑکی سے شادی کر چکا ہے۔ میری قسمت کا فیصلہ اب تمہارے ہاتھ میں ہے میں تمہیں مجبور نہیں کر سکتا لیکن فیصلہ کرنے سے پہلے تمہیں اتنا ضرور سوچ لینا چاہئیے کہ میں تمہارے بغیر زندہ نہیں رہ سکوں گا ———"

میرا باپ پریشانی کی حالت میں اُس کے پیچھے دروازے میں کھڑا تھا۔ اُس نے آگے بڑھ کر سین کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا "اب آپ کو زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں۔ میری بیٹی اپنی قسمت کا فیصلہ کر چکی ہے۔"

تیسرے دن ہماری شادی ہو گئی۔

عاصم نے قدرے بے چین ہو کر پوچھا "آپ کا شوہر زندہ ہے؟"

یوسیبیا نے جواب دیا "ہاں! لیکن اس وقت مجھے معلوم نہیں کہ وہ کس حال میں ہے۔"

"وہ کہاں ہے؟" عاصم نے دوبارہ سوال کیا۔

"اُسے قسطنطنیہ میں قید کر لیا گیا تھا۔ میں آپ کو پوری داستان سناتی ہوں۔ شادی کے بعد میں اپنے شوہر کے ساتھ مدائن چلی گئی تھی۔ وہاں زندگی میرے لئے ایک سہانا خواب تھی۔ پرویز شہنشاہ موریس کو اپنا باپ سمجھتا تھا اور میں یہ محسوس کرتی تھی کہ ایران اور روم کے درمیان جنگ کے امکانات ہمیشہ کے لئے ختم ہو چکے ہیں۔ مدائن میں ہمارے پادری کسی روک ٹوک کے بغیر تبلیغ کر سکتے تھے لیکن چند سال بعد میں یہ محسوس کرنے لگی کہ مجوسی پیشوا ایران میں عیسائیت کے پرچار سے خائف ہیں۔ اور شاہ ایران اپنی ظاہری رواداری کے باوجود یہ محسوس کرتے ہیں کہ قیصر نے اپنی اعانت کے بدلے اُس سے آرمینیا کے علاقے چھین کر بہت بڑی قیمت وصول کی ہے۔ میرا شوہر پرویز کے انتہائی قابل اعتماد آدمیوں میں سے تھا اور میرے لئے یہ معلوم کرنا مشکل نہ تھا کہ ایران ایک وسیع پیمانے پر جنگی تیاریوں میں مصروف ہے۔ تاہم شہنشاہ موریس کے ساتھ خسرو پرویز کے تعلقات ایسے تھے کہ ہمیں کسی فوری جنگ کا خطرہ نہ تھا۔ لیکن ایک دن اچانک یہ خبر آئی کہ قسطنطنیہ میں بغاوت ہو گئی ہے اور فوکاس نے شہنشاہ موریس کو قتل کر کے سلطنت پر قبضہ کر لیا ہے۔ ایران کے امراء اور مذہبی اکابر نے پرویز کو مشورہ دیا کہ اب روم سے حساب چکانے کا وقت آگیا ہے۔ پرویز خود بھی برسوں سے کسی موقع کا انتظار کر رہا تھا۔ چنانچہ اس نے موریس کے قتل کی اطلاع ملتے ہی یہ اعلان کر دیا کہ ہم فوکاس سے موریس کے قتل کا انتقام لیں گے۔ میرا شوہر جنگ کے خلاف تھا، اور اُس نے بھرے دربار میں کہا کہ ہمیں روم کے خلاف کوئی قدم اٹھانے سے پہلے اچھی طرح حالات کی چھان بین کر لینی چاہیئے۔ اگر شہنشاہ مجھے اجازت دیں تو میں قسطنطنیہ جانے کو تیار ہوں، اگر وہاں میری تسلی نہ ہوئی تو ہم روم پر حملہ کرنے میں حق بجانب ہوں گے ——— پرویز جنگ پر تلا ہوا تھا، تاہم اُس نے میرے خاوند کی یہ درخواست رد نہ کی۔

میرے والد بڑھاپے میں ملازمت سے سبکدوش ہو کر دمشق اپنے گھر آ گئے تھے۔ اور میں نے انہیں کئی سال سے نہیں دیکھا تھا۔ قسطینہ کو بھی اپنے نانا کا گھر دیکھنے کا شوق تھا۔ اس لئے ہم بھی اُن کے ساتھ روانہ ہو گئے۔ چند منزلوں تک ہم نے ایک ساتھ سفر کیا۔ پھر ہمارے راستے ایک دوسرے سے الگ ہو گئے اور انہوں نے ہمیں اپنے دو وفادار نوکروں اور چند مسلح سپاہیوں کے ساتھ دمشق کی طرف روانہ کرتے ہوئے کہا کہ میں قسطنطنیہ سے

فارغ ہو کر دمشق آؤں گا اور اس کے بعد ہم اکٹھے مدائن چلے جائیں گے۔ شام کی ایک سرحدی چوکی کے سالار نے ہمیں اپنی حفاظت میں دمشق پہنچانے کا ذمہ لیا اور ہم نے ایرانی سپاہی واپس کر دیئے، تاہم میرے شوہر کے دو وفادار نوکر ہمارے ساتھ رہے۔ دمشق پہنچ کر ہمیں چند مہینے سین کے متعلق کوئی اطلاع نہ ملی۔ میرے والد نے دمشق کے حاکم کی وساطت سے اُس کا پتا لگانے کی کوشش کی تو ہمیں یہ اطلاع ملی کہ فوکاس نے انہیں موریس کا طرف دار سمجھ کر گرفتار کر لیا ہے۔ آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اس خبر سے ہماری کیا حالت ہوئی ہو گی۔ میرے والد نے قسطنطنیہ میں اپنے دوستوں کو پیغام بھیجے۔ انطاکیہ کے گورنر سے مداخلت کے لئے التجائیں کیں لیکن قسطینہ کے باپ کو رہا کروانے کے لئے اُن کی ساری کوششیں بے نتیجہ ثابت ہوئیں۔ پھر جب ایران نے چڑھائی کر دی تو ہمیں ایسا محسوس ہونے لگا کہ اب اُن کے لئے فوکاس کی قید سے رہا ہونے کا کوئی امکان باقی نہیں رہا ——— اب دعائیں ہمارا آخری سہارا تھیں۔ دمشق کے ایک راہب نے ہمیں مشورہ دیا کہ اگر ہم یروشلم جائیں تو وہاں ہماری دعائیں ضرور قبول ہوں گی۔ والد بڑھاپے کی وجہ سے سفر کے قابل نہ تھے۔ لیکن دمشق سے زائرین کا ایک قافلہ یروشلم جا رہا تھا اور ہم اپنے دو ایرانی نوکروں کے ساتھ اس قافلے میں شامل ہو گئے۔ اباجان نے ہمیں یروشلم کی فوج کے ایک سالار پطیوس کے نام تعارفی خط دے دیا تھا۔ یہ شخص اباجان کے ایک دوست کا بیٹا تھا۔ اُس نے ہمیں اپنے پاس ٹھہرانے کی کوشش کی لیکن میں نے اصرار کیا کہ آپ ہمارے لئے ایک علیحدہ مکان کا بندوبست کر دیں۔ اُس نے ہمیں کرائے پر ایک مکان لے دیا، تاہم یہ شرط پیش کی کہ ہم کم از کم دو دن اُس کے پاس ضرور ٹھہریں گے۔ ہم نے پطیوس سے زیادہ اُس کی نیک دل بیوی کے اصرار پر یہ شرط منظور کر لی۔ دو دن اُن کے ہاں مہمان رہنے کے بعد کرائے کے مکان میں چلے گئے۔ یروشلم میں ہماری مصروفیات مختلف خانقاہوں اور گرجوں میں جا کر دعائیں کرنے تک محدود تھیں۔ اور ہم نے یہ عہد کیا تھا کہ جب تک ہمیں سین کے متعلق کوئی امید افزا خبر نہیں ملے گی ہم واپس نہیں جائیں گے۔ میں نے کھلے دل سے تمام گرجوں اور خانقاہوں کو نذرانے پیش کئے۔ دولت کی میرے پاس کمی نہ تھی۔ میں نے خانقاہوں سے کئی مشہور و معروف راہبوں کی ہڈیاں حاصل کیں اور بعض انتہائی متبرک ہڈیوں کے عوض میں نے اپنے قیمتی زیورات تک لٹا دیئے۔"

"راہبوں کی ہڈیاں!" عاصم نے چونک کر پوچھا "وہ کس کام آتی ہیں؟"

فسطینہ اُسے اِس قدر بدحواس دیکھ کر اپنی ہنسی ضبط نہ کر سکی لیکن یوسیبیا نے قہر آلود نگاہوں سے اُس کی طرف دیکھا اور پھر عاصم کی طرف متوجہ ہو کر بولی "ہم عمر رسیدہ راہبوں کی ہڈیوں کو بہت متبرک سمجھتے ہیں اور یروشلم کی خانقاہوں میں بعض راہبوں کی ہڈیاں تو جواہرات سے زیادہ قیمتی سمجھی جاتی ہیں۔ میں نے ایک مشہور راہب کی ڈیڑھ سو سال پرانی ہڈیوں کو چھونے کی خوشی میں اپنا موتیوں کا ہار آثار کر بشپ کی نذر کر دیا تھا اور انہوں نے مجھے اُس مٹی کے پیالے کا ایک ٹکڑا عنایت کیا تھا جس میں یہ بزرگ پانی پیا کرتے تھے۔ لیکن تم ایک عرب ہو اور ایرانیوں کی طرح تمہیں بھی ان باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہو سکتی۔"

عاصم نے اس بحث میں الجھنے کی ضرورت محسوس نہ کی وہ یوسیبیا کی سرگزشت کا آخری حصہ سننے کے لئے بیتاب تھا۔ اس نے کہا۔ "معاف کیجئے! میں ہڈیوں کے متعلق بحث نہیں کرنا چاہتا۔ آپ یہ بتائیے کہ اس کے بعد کیا ہوا؟"

یوسیبیا نے کہا۔ "پھر کوئی بیس دن بعد پطیوس اپنی بیوی کے ہمراہ ہمارے پاس آیا اور اُس نے کہا آج فلسطین کے نئے حاکم نے اپنا عہدہ سنبھال لیا ہے اور کل شام وہ شہر کے رؤسا اور بڑے بڑے عہدہ داروں کو کھانے کی دعوت دے رہا ہے۔ میں نے فسطینہ اور آپ کا نام مہمانوں کی فہرست میں لکھوا دیا ہے۔ جب میں نے حاکم سے آپ کے والد کا ذکر کیا تھا تو وہ بہت خوش ہوا تھا اور اُس نے مجھے تاکید کی تھی کہ میں آپ کو دعوت میں ضرور لاؤں۔ مجھے اس دعوت سے کوئی دلچسپی نہ تھی لیکن فسطینہ کا دل بہلانے کے لئے وہاں جانے کا وعدہ کر لیا۔

ہماری بدقسمتی سے یہ نیا گورنر وہی انڈرونیکس تھا جسے میں نے بے عزت کر کے قلعے سے نکلوایا تھا اور مجھے یہ بات اُس وقت معلوم ہوئی جب میں اُس کے محل میں داخل ہو چکی تھی۔ بظاہر وہ ہم سے بڑی عزت کے ساتھ پیش آیا اور اُس کی بیوی نے بھی ہماری بہت دلجوئی کی۔ لیکن مجھے یہ جاننے میں زیادہ دیر نہ لگی کہ انڈرونیکس ابھی تک پرانے واقعات نہیں بھولا۔ اُسے معلوم تھا کہ میں ایک ایرانی کی بیوی ہوں اور میرا شوہر قسطنطنیہ میں قید ہے۔ لیکن وہ یہ بھی جانتا تھا کہ میں تھیوڈوسیس کی بیٹی ہوں اور مجھے بلاوجہ پریشان کرنا اُس کے لئے سودمند نہ ہوگا۔ تاہم میں اُس کی طرف سے خوفزدہ تھی۔ چند دن ہمیں کسی پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑا، لیکن جب دمشق کی طرف ایرانیوں کی پیش قدمی کی اطلاعات آنے لگیں تو مجھے یروشلم میں قیام کرنا خطرناک محسوس ہونے لگا۔ کسی طرح لوگوں کو پتا چل گیا کہ میرا شوہر ایرانی ہے اور ہمارے نوکر بھی ایرانی ہیں اور یہ بات انھیں مشتعل کر دینے کے لئے کافی تھی۔

ایک روز ہم ایک خانقاہ کی زیارت کر کے واپس آ رہے تھے کہ ہمیں مکان کے دروازے پر لوگوں کا ایک ہجوم دکھائی دیا۔ ہم اُن کے قریب پہنچے تو انہوں نے ہمارے خلاف نعرے لگانے شروع کر دیئے۔ وہ ہمیں مرتد، غدار اور ایرانیوں کے جاسوس کہہ رہے تھے۔ پھر چند آدمی "پکڑ لو، مار ڈالو" کے نعرے لگاتے آگے بڑھے اور ہم بھاگ کر قریب کے ایک مکان میں گھس گئے۔ اندر صرف چند عورتیں اور بچے تھے۔ ایک عورت نے جلدی سے دروازہ بند کر دیا۔ مشتعل ہجوم دروازے پر حملہ کرنے والا تھا کہ رومی سپاہیوں کا ایک دستہ وہاں پہنچ گیا۔ انہوں نے لوگوں کو بھگا دیا اور ہمیں وہاں سے نکال کر اپنے گھر پہنچا دیا۔ گھر سے ہمارے دونوں نوکر غائب تھے۔ میری درخواست پر ایک سپاہی پطیوس کو اطلاع دینے چلا گیا اور باقی ہماری حفاظت کے لئے وہاں ٹھہر گئے۔ پطیوس اطلاع ملتے ہی ہمارے گھر پہنچا اور یہ صورت حال معلوم کرتے ہی شہر کے کوتوال کے پاس چلا گیا۔ رات کے وقت وہ واپس آیا تو ہمیں اُس کی زبانی یہ معلوم ہوا کہ جب ہم خانقاہ کی زیارت کو گئے ہوئے تھے تو پولیس کے آدمی ہمارے نوکروں کو پکڑ کر لے گئے تھے۔ اور اب انہیں یہ بیان دینے پر مجبور کیا جا رہا ہے کہ وہ ایرانیوں کے جاسوس ہیں۔"

میں نے اُسی وقت انڈرونیکس کے پاس جانے کا ارادہ کیا، لیکن پطیوس نے کہا: "اس وقت اُس کے پاس جا کر آپ کو کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ میں اُس سے مل آیا ہوں۔ وہ یہ کہتا ہے کہ جب تک پولیس اچھی طرح چھان بین نہیں کر لیتی آپ کے نوکروں کو رہا نہیں کیا جا سکتا، تاہم آپ کے متعلق اُس نے مجھے یہ ہدایت کی ہے کہ مشتعل لوگوں کو آپ کے مکان سے دور رکھوں۔ آپ تسلی رکھیئے! آپ کا بال بیکا نہ ہوگا۔ جب تک آپ کو خطرہ ہے میرے سپاہی آپ کے مکان پر دن رات پہرا دیتے رہیں گے۔"

میں نے کہا۔ "تم نے انڈرونیکس کو یہ نہیں بتایا کہ میرے نوکر عیسائی مذہب قبول کر چکے ہیں۔"

وہ بولا۔ "میں نے کہا تھا لیکن وہ یہ کہتا تھا کہ اُن کے مذہب کے متعلق تحقیقات کرنے کا معاملہ کلیسا کے سپرد کر دیا جائے گا۔ اگر کلیسا نے یہ فتویٰ دیا کہ وہ مرتد ہیں۔ تو میں اِس معاملے میں کچھ نہیں کر سکوں گا۔"

مجھے اپنے والد کو اطلاع دینے کا خیال آیا لیکن میں یہ محسوس کرتی تھی کہ اس معاملے میں وہ بھی ہماری طرح بے بس ہوں گے۔

چند دن اور گزر گئے۔ اِس عرصہ میں ہمیں کچھ معلوم نہ تھا کہ ہمارے گھر کے باہر کیا ہو رہا ہے۔ ہم کو دروازے

سے باہر جھانکنے کی اجازت نہ تھی۔ سپاہی جو ہمارے گھر پر پہرا دیتے تھے ہمیں بازار سے ضرورت کی اشیاء خرید کر لا دیتے تھے۔ ہمیں یقین ہو چکا تھا کہ گورنر ہمارے خلاف کوئی خطرناک سازش کر رہا ہے۔ لیکن ہمیں اس بات کا ملال تھا کہ پطیوس نے دوبارہ ہماری خبر تک نہ لی۔ میں نے سپاہیوں کی وساطت سے اپنے باپ کو اس صورت حال سے خبردار کرنے کی کوشش کی لیکن انہوں نے اس سلسلے میں ہماری مدد کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ پھر ایک روز کلیسا کے بشپ اور چند پادری ہمارے پاس آئے اور ہم سے طرح طرح کے سوالات کرنے لگے۔ ان سب کو معلوم تھا کہ میں نے خانقاہوں اور گرجوں میں کس فیاضی کے ساتھ نذرانے پیش کئے ہیں۔ لیکن اُن کی باتوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ ہمارے مذہب ہی پر شک نہیں کرتے، بلکہ ہمیں ایران کا جاسوس بھی سمجھتے ہیں۔

میں غصے سے بے قابو ہو کر خدا معلوم کیا کہہ گئی۔ کہ بشپ نے مجھ پر کلیسا کی توہین کا الزام عائد کر دیا۔ پھر جب میں روتے ہوئے اُن کے پاؤں پر گر پڑی تو انہوں نے قدرے نرم ہو کر کہا۔ بیٹی کلیسا تمہارے اِس جرم سے چشم پوشی نہیں کر سکتا کہ تم ایران کے دو جاسوسوں کو اپنے ساتھ لے کر یروشلم آئی ہو۔ یہ ہو سکتا ہے کہ تمہیں اُن پر کوئی شبہ نہ ہو —— لیکن وہ ہمیں دھوکا نہیں دے سکیں گے۔ اُن کے مُنہ سے سچی باتیں اگلوانے کے لئے ہمارے پاس مؤثر ذرائع موجود ہیں۔ لیکن تمہیں اپنے آپ کو بے گناہ ثابت کرنے اور مذہب سے اپنی سچی محبت کا ثبوت دینے کے لئے ایک قربانی دینی پڑے گی۔ ہم تمہیں سزا دینے نہیں آئے —— بلکہ تمہاری بھلائی کے لئے آئے ہیں —— تم اگر اپنی بیٹی کو راہبہ بننے کی اجازت دے دو تو تمہارے خلاف نوکروں کے بیانات سننے کے بعد بھی کوئی تمہاری معصومیت پر شک نہیں کرے گا۔"

میں نے کہا۔ "میں قسم کھاتی ہوں کہ میرے نوکر عیسائی ہیں اور وہ ایرانیوں کے جاسوس نہیں۔"

پادری نے کہا۔ "ہو سکتا ہے یہ درست ہو لیکن لوگوں کو مطمئن کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ تم مذہب سے محبت کا عملی ثبوت دو اور تمہاری طرف سے بہترین ثبوت یہی ہو سکتا ہے کہ تم فسطینہ کو ہمارے حوالے کر دو۔" میں نے گڑگڑا کر کہا۔ "مقدس باپ! فسطینہ میری اکلوتی بیٹی ہے۔ اسے مجھ سے چھیننے کی کوشش نہ کیجئے۔"

جب بشپ اور دوسرے راہب مجھے سمجھانے کے بعد مایوس ہو گئے تو انہوں نے فسطینہ کو رہبانیت کی طرف مائل کرنے کی کوشش کی لیکن یہ ڈر کر روتی ہوئی مجھ سے چمٹ گئی۔ اور وہ مجھے یہ دھمکی دے کر چلے گئے کہ تم

اپنے دین سے گمراہ ہو چکی ہو۔ ایرانیوں کی پیش قدمی نے تمہارے خلاف یروشلم کے عوام کو بہت مشتعل کر دیا ہے۔ اب اگر انہوں نے تمہارے مکان پر دھاوا بول دیا تو ہم کچھ نہیں کر سکیں گے اور حکومت بھی شاید تمہاری حفاظت کا ذمہ لینے کی جرأت نہ کرے۔"

مجھے یہ تمام باتیں ناقابلِ یقین معلوم ہوتی تھیں۔ رات کے وقت اچانک پطیوس ہمارے پاس آیا اور اُس نے اطلاع دی کہ ہم واقعی کسی بڑے خطرے کا سامنا کر رہے ہیں۔ ہمارے ایک نوکر کو خوفناک اذیتیں دے کر موت کے گھاٹ اتار دیا گیا ہے لیکن اُس نے ہمارے خلاف کوئی بیان نہیں دیا۔ اور اب دوسرے نوکر کو شکنجے میں جکڑ دیا گیا ہے اور اس سے ہمارے خلاف بیان لینے کی کوشش کی جا رہی ہے اور یہ سب کچھ اینڈرونیکس کے ایما پر ہو رہا ہے۔ اگر وہ دمشق میں میرے باپ کے اثر و رسوخ سے خائف نہ ہوتا تو نوکروں کی بجائے ہم سے اقبالِ جرم کرانے کی کوشش کی جاتی۔ اینڈرونیکس کا خیال ہے کہ اگر نوکر ہمارے خلاف گواہی دے دے تو اُسے کلیسا سے ہمارے لئے بدترین سزا کی سفارش کرانے میں کوئی دقت پیش نہ آئے گی۔ اور پھر میرا باپ بھی کچھ نہ کر سکے گا۔"

میں نے پطیوس کی باتیں سُن کر کہا۔ "مجھے یقین ہے کہ ہمارا دوسرا نوکر بھی اپنی جان پر کھیل جائے گا لیکن ہمارے خلاف زبان نہیں کھولے گا۔"

پطیوس نے جواب دیا۔ "اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ پولیس اُسے ہلاک کرنے کے بعد کسی دقت کا سامنا کئے بغیر یہ اعلان کر سکتی ہے کہ آپ کے دونوں نوکروں نے جرم کا اقبال کر لیا تھا، اُن کی لاشیں پولیس کی من گھڑت داستانوں کی تردید نہیں کر سکیں گی —— ویسے بھی اب اینڈرونیکس کو آپ کے خلاف کسی اقدام کی ضرورت نہیں۔ اگر ایرانی افواج دمشق میں داخل ہو گئیں تو عوام، جنہیں ایک منظم سازش کے تحت آپ کے خلاف مشتعل کیا گیا ہے، یہ معاملہ اپنے ہاتھ میں لے لیں گے۔ اینڈرونیکس نے آپ کی حفاظت میرے ذمے کی ہے لیکن اُسے یقین ہے کہ کلیسا کے بشپ اور عوام آپ پر حملہ کریں گے تو میرے سپاہی اُن کے خلاف تلوار نہیں اٹھا سکیں گے۔ اور اُس نے اشارتاً مجھے یہ بھی سمجھایا تھا کہ اگر حالات قابو سے باہر ہو جائیں تو فوج کو ایک ایرانی کی بیوی کی جان بچانے کے لئے کلیسا اور عوام کا عتاب مول نہیں لینا چاہیئے۔ اور میں نے مصلحتاً اُس سے یہ کہہ دیا تھا کہ میں کسی صورت میں بھی اپنے سپاہیوں کو عوام کے خلاف ہتھیار اٹھانے کی اجازت نہیں دوں گا۔ مجھے اندیشہ ہے اگر اُسے یہ علم ہو گیا کہ میں آپ سے ہمدر[دی]

رکھتا ہوں۔ تو وہ اِس مکان کی حفاظت کے لئے ایسے پہرے دار مقرر کرنا مناسب سمجھے گا جو خطرے کے وقت آنکھیں بند کرلیں۔ یہی وجہ تھی کہ میں گزشتہ چند دن آپ کے پاس نہیں آیا۔"

میں نے کہا "لیکن میں اپنے باپ کو بھی ان حالات سے خبردار نہیں کرسکی۔ آپ کے سپاہی بھی وہاں ہمارا پیغام پہنچانے کے لئے تیار نہ ہوئے۔"

پطیوس نے جواب دیا "اس میں ایک مصلحت تھی۔ اینڈرونیکس کی باتوں سے مجھے معلوم ہوتا تھا کہ اُسے آپ کے والد کے متعلق بھی یہ شبہ ہے کہ وہ درپردہ ایرانیوں کے طرف دار ہیں۔ اور اُس کا اصلی مدعا انہیں پھانسنا ہے۔ مجھے ڈر تھا کہ آپ کے والد ان حالات کی اطلاع ملتے ہی یروشلم پہنچ جائیں گے اور یہاں آ کر انہیں بھی انہی خطرات کا سامنا کرنا پڑے گا جو آپ کو درپیش ہیں، اس لئے میں نے اینڈرونیکس کے ذہن میں یہ بات ڈال دی تھی کہ اگر آپ کے والد کو ان حالات کا پتا چل گیا تو وہ آپ کو بچانے کے لئے دوڑ دھوپ شروع کردیں گے۔ دالفا کیہ کے گورنر اور فوج کے بڑے بڑے رومی عہدہ دار اُس کے دوست ہیں، اس لئے جب تک تھیوڈوسیس کی بیٹی کے خلاف ہمارے ہاتھ کوئی ناقابلِ تردید ثبوت نہیں آتا۔ ہمیں اِس بات کا خیال رکھنا چاہیئے کہ یہاں سے کوئی خبر اُس کے کانوں تک نہ پہنچے۔ اور یہ آپ کی خوش قسمتی ہے کہ میری باتوں نے اُس پر اثر کیا اور اُسے میرے متعلق بھی اِس بات کا یقین ہوگیا کہ میں آپ کو بچانے کی کوئی کوشش نہیں کروں گا۔ میں نے یہ چند دن ضائع نہیں کئے۔ میں آپ کو یہاں سے نکالنے کا انتظام کرچکا ہوں۔ میں نے یہاں کے ایک بشپ کو اس بات پر آمادہ کرلیا ہے کہ وہ آپ کو کلیسا کی پناہ میں لے لے۔"

میں نے کہا "بشپ آج صبح چند راہبوں کے ساتھ ہمارے پاس آیا تھا اور اس نے میری بیٹی کو رہبانیت اختیار کرنے کا مشورہ دیا تھا لیکن میں نے انکار کردیا اور وہ مجھے دھمکیاں دے کر چلے گئے۔"

پطیوس نے جواب دیا "مجھے معلوم ہے۔ میں بشپ سے مل چکا ہوں اور یہی وجہ ہے کہ اس وقت مجھے آپ کے پاس آنا پڑا۔ اب میری باتیں غور سے سُنیئے۔ میں نے بشپ کو یہ بات سمجھائی تھی کہ آپ ایک دولت مند اور بااثر ایرانی جرنیل کی بیوی ہیں۔ اس وقت یہ کہنا مشکل ہے کہ ایران کی فوجیں کہاں پہنچ کر دم لیں گی۔ لیکن اگر آپ سین کی بیوی اور بیٹی کو پناہ دے سکیں تو ممکن ہے کہ وہ آپ کا شکرگزار رہے اور اگر خدانخواستہ یروشلم کو کوئی خطرہ پیش آئے تو وہ آپ کے احسان کے بدلے ہمارے گرجوں اور خانقاہوں پر کوئی زیادتی نہ ہونے دے۔ اگر یروشلم کو کوئی خطرہ پیش نہ آئے تو بھی ایک

دولت کی جان بچا کر آپ نیک کاموں کے لئے اُس سے خاصی دولت حاصل کرسکیں گے۔ بشپ نے پہلے تو یہ کہہ کر میری درخواست رد کردی کہ مجھے ایک ایرانی کی بیوی کی موت و حیات سے کوئی دلچسپی نہیں۔ لیکن میں نے یہ سمجھایا کہ فوکاس کے قتل کے بعد قسطنطنیہ میں ایک نیا انقلاب آچکا ہے۔ اور ہرقل کے برسرِاقتدار آنے سے جہاں روم اور ایران میں صلح کے امکانات روشن ہوگئے ہیں۔ وہاں یہ بات بھی یقینی معلوم ہوتی ہے کہ سین جسے فوکاس نے قید کیا تھا بہت جلد رہا کردیا جائے گا۔ وہ پرویز کا خاص آدمی ہے اور اُس کی بیوی کے ساتھ کوئی زیادتی اُس کے لئے ناقابلِ برداشت ہوگی ——— اور نیا قیصر بھی شاید اسے اچھا نہیں سمجھے گا۔

میری باتیں بشپ کے دل میں بیٹھ گئیں اور وہ آپ کے پاس آنے کے لئے تیار ہوگیا۔ لیکن مجھے معلوم نہ تھا کہ وہ فسطینہ کو راہبہ بننے کی ترغیب دے گا۔ بہرحال اب یہ ضروری ہے کہ آپ کو یہاں سے نکالا جائے۔ میں اینڈرونیکس سے بھی ملا تھا۔ اُسے فوکاس نے یروشلم کا حاکم بنا کر بھیجا تھا اور وہ اپنے سرپرست کی موت پر سخت پریشان ہے ——— میں نے اُسے بھی یہی بات سمجھائی تھی کہ اگر ہرقل صلح کا خواہش مند ہے تو مجھے یقین ہے کہ وہ سین کو فوراً رہا کردے گا۔ ممکن ہے کہ اب تک وہ قسطنطنیہ سے مصالحت کی تجاویز لے کر پرویز کے پاس پہنچ بھی چکا ہو۔ ان حالات میں آپ یہ سوچ سکتے ہیں کہ سین کے خسر کی دشمنی مول لینا آپ کے لئے کس قدر خطرناک ثابت ہوگا۔ اُس نے پریشان ہو کر پوچھا کہ پھر مجھے کیا کرنا چاہیئے اور میں نے اُسے سمجھایا کہ ہمیں سین کی بیوی اور بیٹی کو خانقاہ میں بھیج کر وقت کا انتظار کرنا چاہیئے وہاں راہب آپ کی طرف سے اُس کا دل صاف کرنے کی کوشش کریں گے اور اُن سے یہ حلف لینا مشکل نہ ہوگا کہ وہ آپ کے خلاف زبان نہیں کھولیں گی۔

کل بشپ دوبارہ آپ کے پاس آئے گا۔ آپ غروبِ آفتاب تک اُسے باتوں میں مصروف رکھیں اور اس کے بعد اُس کے ساتھ خانقاہ میں چلی جائیں۔ وہ خانقاہ، جہاں آپ کو ٹھہرانے کا انتظام کیا جائے گا، شہر کے باہر ہے۔ جب آپ خانقاہ سے کچھ دور رہوں گی تو آپ کے محافظوں پر اچانک حملہ ہوگا۔ حملہ کرنے والوں میں سے دو آدمی آپ کو گھوڑوں پر سوار کرکے چند میل دور ایک سرائے کے دروازے پر پہنچا دیں گے۔ اِس سرائے کا مالک میرا دوست ہے۔ لوٹنے آپ کی حفاظت کے لئے ضروری ہدایات بھیج دی جائیں گی۔ باقی آدمی بشپ اور راہبوں کو اپنے گھوڑوں پر لاد کر کہیں دور کسی اور راستے پر چھوڑ آئیں گے ——— اس کے بعد جب وہ واپس آئیں گے تو میرا کام یہ ہوگا کہ آپ کو غلط

راستوں پر تلاش کیا جائے ــــــ میں آپ کے نوکر کے لئے کچھ نہیں کر سکا۔ لیکن ممکن ہے کہ آپ کی طرف سے مطمئن ہونے کے بعد میں اُس کے متعلق سوچ سکوں۔ کل تک آپ کا یہاں سے نکل جانا اس لئے ضروری ہے کہ مستقبل کے متعلق وثوق سے کوئی بات نہیں کہی جا سکتی۔ ممکن ہے آپ کا نوکر آپ کے خلاف کوئی بیان دینے پر تیار ہو جائے اور ایتھنز کسی تاخیر کے بغیر آپ کی قسمت کا فیصلہ کر دے۔ یہ بھی ممکن ہے ایران اور روم کی صلح نہ ہو سکے اور یہاں کے عوام آپ کے خون کے پیاسے ہو جائیں۔ پھر آپ یہ بھی نہیں چاہتیں کہ خانقاہ میں پہنچ کر آپ کی بیٹی ایک راہبہ بن جائے اور سب سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ ایتھنوڈنیکس بزدل بھی ہے اور ظالم بھی۔ اور میں ایسے آدمی پر کوئی اعتبار نہیں کر سکتا۔ اب میں آپ سے دوبارہ نہیں مل سکوں گا۔ اور میرا آپ سے ملاقات کرنا ٹھیک بھی نہیں۔ میں بشپ کو یہ بات سمجھا چکا ہوں کہ عوام کے اشتعال سے بچنے کے لئے آپ کو دن کی بجائے رات کی تاریکی میں یہاں سے لے جانا بہتر ہوگا۔ کل میں اُسے آپ کے پاس بھیجنے کی ہر ممکن کوشش کروں گا۔"

میں نے پوچھا "راستے میں ہم پر حملہ کرنے والے کون ہوں گے؟"

اُس نے جواب دیا "آپ کو یہ جاننے کی ضرورت نہیں۔ لیکن اگر آپ کو میرے متعلق کوئی پریشانی ہے تو یہ اطمینان رکھیئے کہ وہ سپاہیوں کے لباس میں نہیں ہوں گے۔"

پطلیوس ہمیں یہ باتیں سمجھا کر چلا گیا۔ اگلی رات بارش ہو رہی تھی اور بشپ اور اُن کے ساتھیوں کو خاصی دیر ہمارے گھر بیٹھنا پڑا۔ بالآخر اُس نے یہ مشورہ دیا کہ ہمیں خانقاہ میں جانے کا ارادہ اگلے دن پر ملتوی کر دینا چاہیئے۔ لیکن میں نے گڑگڑا کر التجا کی کہ کل تک شاید شہر کے مشتعل عوام ہمارے گھر پر حملہ کر دیں اور یہ لوگ ہمیں ساتھ لے جانے پر مجبور ہو گئے ــــــ باقی داستان شاید آپ کے لئے دلچسپ نہ ہو۔ شہر اور خانقاہ کے درمیان جن آدمیوں نے ہم پر حملہ کیا تھا ان کے چہروں پر نقاب تھے ــــ انہوں نے آن کی آن میں بشپ اور اُن کے ساتھیوں کو باندھ کر اپنے گھوڑوں پر ڈال لیا۔ اور انہوں نے اُف تک نہ کی ــــ اب ہم تمہارے رحم و کرم پر ہیں۔"

عاصم نے اٹھ کر چند لکڑیاں الاؤ پر ڈالتے ہوئے کہا "معزز خاتون! میں آپ کا احسانمند ہوں کہ آپ نے مجھے قابلِ اعتماد سمجھا۔ اور میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتا کہ آپ مجھے اعتماد کے قابل پائیں گی۔ اب آپ اطمینان سے سو جائیے۔"

یوسیبیا نے کہا "نہیں! مجھے نیند نہیں آئے گی۔ آپ سو جائیں! آپ نے دوپہر کے وقت بھی آرام نہیں کیا۔"

عاصم نے ایک طرف ہٹ کر لیٹتے ہوئے کہا "اگر آپ کوئی خطرہ محسوس کریں تو مجھے جگا دیں۔"

باب ۱۵

رات کے تیسرے پہر فسطینہ اچانک گہری نیند سے بیدار ہوئی۔ یوسیبیا اس کے قریب بیٹھی اونگھ رہی تھی۔

"امی! آپ ابھی تک نہیں سوئیں؟" اُس نے پوچھا

ماں نے تھکی ہوئی آواز میں جواب دیا "بیٹی رات کے وقت اس ویرانے میں، ہم میں سے کسی ایک کا جاگتے رہنا ضروری تھا۔"

فسطینہ نے کہا "میری نیند پوری ہو چکی ہے، اب آپ سو جائیں۔"

یوسیبیا لیٹ گئی، فسطینہ نے الاؤ میں لکڑیاں ڈالیں اور آگ کے قریب بیٹھ گئی۔

یوسیبیا نے کہا "بیٹی میں یہ چاہتی ہوں کہ ہمارا ساتھی اچھی طرح آرام کرے لیکن اگر تمہیں نیند آ جائے تو اسے جگا دینا۔"

فسطینہ نے کہا "امی آپ فکر نہ کیجئے۔ اب مجھے نیند نہیں آئے گی۔"

تھوڑی دیر بعد یوسیبیا گہری نیند سو رہی تھی اور فسطینہ پریشانی اور خوف کی حالت میں ادھر اُدھر دیکھ رہی تھی۔ رات کے سناٹے میں کبھی کبھی بھیڑیوں کی آوازیں سنائی دیتیں اور اُس کا دل دھڑکنے لگتا۔ پھر فضا پر خاموشی چھا جاتی اور اُسے ایسا محسوس ہوتا کہ آس پاس ریت کے ٹیلوں اور جھاڑیوں کی آڑ سے اچانک لاتعداد دشمن نمودار ہوں گے اور اُن پر حملہ کر دیں گے۔ کبھی کبھی وہ حوصلے سے کام لے کر اٹھتی اور چاروں طرف نگاہ دوڑانے کے بعد دوبارہ بیٹھ جاتی۔ تنہائی، خوف اور بےبسی کے احساس سے اُس کا دم گھٹا جا رہا تھا۔ تاہم جب وہ آگ کی روشنی میں عاصم کا چہرہ دیکھتی تو اُسے ایک طرح کی تسکین محسوس ہونے لگتی۔ اُس نے بچپن میں اپنے ایرانی نوکروں سے سنا تھا کہ درندے آگ کے قریب نہیں آتے۔

چنانچہ اُس نے تھوڑی دیر میں تمام وہ ایندھن جو عاصم نے جمع کیا تھا اٹھا اٹھا کر الاؤ میں ڈال دیا تھا۔ لیکن اب وہ اس بات سے پریشان ہو رہی تھی کہ آگ کے بلند شعلے دور دور سے نظر آسکتے ہیں۔

اچانک عاصم کا گھوڑا کان کھڑے کرکے زمین پر پاؤں مارنے لگا اور اُس کے نتھنوں سے گھرگھر کی آواز سنائی دینے لگی، پھر دوسرے گھوڑے بھی بدحواسی کا مظاہرہ کرنے لگے۔ فسطینہ دم بخود ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ اُسے بائیں ہاتھ ایک ٹیلے کے نشیب میں کوئی متحرک شے دکھائی دی اور ایک ثانیے کے لئے اُس کا خون رگوں میں منجمد ہو کر رہ گیا۔ پھر اُس کا مدافعانہ شعور بیدار ہونے لگا اور وہ زمین پر بیٹھے بیٹھے عاصم کی طرف کھسکنے لگی ——— دہشت سے کانپتے ہوئے اُس نے عاصم کا بازو پکڑ کر ہلایا۔ عاصم نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں اور کسی توقف کے بغیر تلوار سنبھال کر کھڑا ہو گیا۔

"بھیڑیے! بھیڑیے!" فسطینہ نے ٹیلے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

عاصم نے ٹیلے کی طرف دیکھتے ہوئے اطمینان سے کہا "مجھے آپ نے پریشان کر دیا تھا۔ میں سمجھا آپ کے دشمن پہنچ گئے ہیں۔"

فسطینہ نے جلدی سے کمان اور ترکش اٹھا کر عاصم کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا "آپ کو بھیڑیئے نظر نہیں آتے، دیکھئے وہ سامنے کھڑے ہیں اُس جھاڑی کے بالکل قریب۔"

عاصم نے فسطینہ کے ہاتھ سے کمان اور ترکش لینے کی بجائے ایک جلتی ہوئی لکڑی اٹھا کر ٹیلے کی طرف پھینک دی اور کہا "دیکھئے، وہ بھاگ گئے ہیں اب آپ اطمینان سے سو جائیے۔"

وہ بدحواس ہو کر بولی "آپ کے خیال میں وہ بھیڑیئے نہیں تھے۔ ابھی ہمارے گھوڑے اُن کے ڈر سے تڑپ رہے تھے۔"

عاصم نے جواب دیا "ہاں، ہاں وہ بھیڑیئے ہی تھے لیکن صرف دو تھے۔"

فسطینہ نے کہا "مجھے یقین ہے کہ اُن کے کئی اور ساتھی ان ٹیلوں کے پیچھے چھپے ہوئے ہیں۔ انہوں نے صرف آگ کی وجہ سے ہم پر حملہ نہیں کیا لیکن میں نے تمام لکڑیاں جلا دی ہیں۔"

عاصم نے پریشان ہو کر پوچھا "آپ ساری رات جاگتی رہی ہیں؟"

"نہیں میں اپنی نیند پوری کر چکی ہوں۔ جب میں بیدار ہوئی تھی تو امی جان بیٹھی ہوئی تھیں۔"

عاصم نے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "خاصی رات گزر چکی ہے۔ ہمیں تھوڑی دیر میں یہاں سے کوچ کر لینا چاہیئے" ——— وہ بولی "آپ کو یقین ہے کہ بھیڑیئے اب زیادہ تعداد میں جمع ہو کر ہم پر حملہ نہیں کریں گے؟"

عاصم نے الاؤ کے سامنے بیٹھتے ہوئے کہا "آپ اطمینان رکھیئے! اگر اس جنگل کے تمام بھیڑیئے آجائیں تو بھی میں آپ کی حفاظت کر سکوں گا۔"

فسطینہ مطمئن سی ہو کر اُس کے قریب بیٹھ گئی اور قدرے توقف کے بعد بولی "آپ کبھی بھیڑیوں سے لڑے ہیں؟"

"نہیں" اُس نے جواب دیا "آج تک میرا بھیڑیوں سے واسطہ نہیں پڑا۔ میں صرف اُن انسانوں کو خطرناک سمجھتا ہوں جو بلاوجہ ایک دوسرے کا خون بہانے کے لئے بے چین رہتے ہیں۔"

"آپ نے کبھی انسانوں سے جنگ کی ہے؟"

"ہاں! لیکن اب میں انسانی خون کی پیاس محسوس نہیں کرتا۔"

فسطینہ نے کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا "جب آپ سو رہے تھے تو مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ انڈرونیکس کے آدمی ان جھاڑیوں اور ٹیلوں کی آڑ سے ہمارے گرد گھیرا ڈال رہے ہیں۔ میں سوچ رہی تھی کہ اگر چند آدمی اچانک ہم پر حملہ کر دیں تو آپ کیا کریں گے۔"

عاصم بولا "آپ نے سوچا ہو گا کہ میں بھاگ جاؤں گا۔"

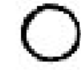
"نہیں" اُس نے عاصم کے چہرے پر آنکھیں گاڑتے ہوئے کہا "میں صرف یہ سوچ رہی تھی کہ ایک عرب جس کا کل تک ہم سے دور کا بھی واسطہ نہ تھا اتنا رحم دل کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ ہماری خاطر اپنی جان خطرے میں ڈال دے۔"

عاصم نے مغموم لہجے میں کہا "کل تک مجھے بھی یہ معلوم نہ تھا کہ میری زندگی کسی کے کام آسکتی ہے۔"

فسطینہ نے کہا "مجھے ایسا نظر آتا ہے کہ ہماری طرح آپ بھی کسی مصیبت سے گزر چکے ہیں۔"

عاصم نے فسطینہ کی طرف دیکھا اور اُسے ایسا محسوس ہونے لگا کہ اُن کے درمیان اجنبیت کی دیواریں ٹوٹ رہی ہیں۔ پھر اچانک اُسے ایک گھبراہٹ سی محسوس ہونے لگی اور اُس نے کہا "میرا خیال ہے اگر ہم طلوع آفتاب سے پہلے چند کوس اور طے کر لیتے تو اچھا ہوتا، ہمارے گھوڑے بھوکے ہیں اور ہمیں کسی ایسی جگہ پہنچ کر دم لینا چاہیئے، جہاں انہیں چارا مل سکے۔ آپ اپنی والدہ کو جگا دیں، میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ ہم جس قدر یروشلم سے دور ہوں گے،

اُسی قدر محفوظ ہوں گے۔"



طلوعِ آفتاب کے ایک ساعت بعد ایک سنگلاخ زمین پر عاصم اور اُس کے ساتھی سفر کر رہے تھے۔ اُن کے بائیں ہاتھ چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں اور ٹیلوں کا ایک طویل سلسلہ تھا۔ عاصم کا سخت جان گھوڑا بھوک اور تھکاوٹ کے باوجود گردن اٹھا کر چل رہا تھا اور فسطینہ کا گھوڑا بھی اُس کا ساتھ دینے کی کوشش کر رہا تھا لیکن یوسیبیا چند قدم پیچھے تھی۔ اور اُس کے گھوڑے کی رفتار ہر آن سست ہوتی جا رہی تھی۔ عاصم نے ایک پہاڑی کے دامن میں پہنچ کر اپنے ساتھیوں کو رکنے کا اشارہ کیا اور گھوڑے سے اتر کر بھاگتا ہوا پہاڑی پر چڑھ گیا۔ چوٹی پر سے تھوڑی دیر دوسری طرف جھانکنے کے بعد وہ مڑا اور اپنے گھوڑے پر دوبارہ سوار ہو کر بولا "ہم راستے سے زیادہ دور نہیں، تھوڑی دیر اور چلنے کے بعد ہم ایک بستی میں پہنچ جائیں گے۔"

یوسیبیا نے کہا "میرا گھوڑا جواب دے چکا ہے۔ کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ ہم تھوڑی دیر یہاں رُک جائیں۔"

"نہیں۔" عاصم نے جواب دیا "یہاں رُک کے ہم گھوڑوں کی بھوک کا علاج نہیں کر سکتے۔"

وہ کچھ دیر خاموشی سے چلتے رہے۔ بالآخر یوسیبیا نے پوچھا "ابھی ہم بستی کے قریب نہیں آئے؟"

عاصم نے جواب دیا "ہم بستی سے آگے نکل چکے ہیں۔ لیکن آپ کو چند قدم اور چلنا پڑے گا۔"

یوسیبیا نے پوچھا "آپ نے بستی میں رکنے کا ارادہ بدل دیا ہے؟"

عاصم نے جواب دیا "نہیں! ارادہ تو نہیں بدلا ہے لیکن آپ کے لئے بستی سے دُور رہنا ہی بہتر ہوگا۔ میں پہلے اکیلا وہاں جاؤں گا۔"

فسطینہ بولی "لیکن آپ تو کہتے ہیں کہ ہم بستی سے آگے نکل آئے ہیں؟"

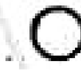
"اس میں پریشانی کی کوئی بات نہیں، میں بستی والوں کو یہ تاثر دینا چاہتا ہوں کہ میں یروشلم سے نہیں بلکہ دمشق سے آ رہا ہوں، تاکہ اگر وہاں ہماری تلاش ہو رہی ہو تو مجھ پر کوئی شبہ نہ کرے۔"

تھوڑی دور چل کر عاصم اپنے گھوڑے سے اُترا اور اُسے ایک جھاڑی سے باندھنے کے بعد بولا "اب آپ

اپنے گھوڑے یہاں باندھ دیں اور اطمینان سے بیٹھ جائیں۔ میں بہت جلد واپس آنے کی کوشش کروں گا۔ مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کو تنہا چھوڑ کر جا رہا ہوں لیکن آپ کو ساتھ لے جانا زیادہ خطرناک ہے۔ اگر میں کسی وجہ سے نہ آؤں تو آپ دوپہر تک میرا انتظار کرنے کے بعد کسی اگلی بستی میں پہنچنے کی کوشش کریں۔ اگر میں زندہ ہوا تو وہاں پہنچ جاؤں گا۔ میں اپنا گھوڑا یہاں اس لئے چھوڑے جا رہا ہوں کہ آپ کا گھوڑا جواب دے چکا ہے۔ اگر دوسرا گھوڑا بھی ہمت ہار دے تو آپ دونوں اس پر سوار ہو سکتی ہیں۔ اس نے عرب کی آب و ہوا میں پرورش پائی ہے اور مجھے یقین ہے کہ یہ آپ کو دھوکا نہیں دے گا۔ میری خورجین سے آپ کو کچھ بچا ہوا کھانا بھی مل جائے گا اور مشکیزے میں تھوڑا سا پانی بھی ہے۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ میری واپسی تک آئندہ سفر کے لئے تیار ہو جائیں۔ اگر بستی سے تازہ دم گھوڑے مل گئے تو ہم دوپہر سے پہلے آرام نہیں کریں گے۔"

یوسیبیا اور اُس کی ماں گھوڑوں سے اتر پڑیں اور عاصم بھاگتا ہوا ٹیلے کی طرف بڑھا پھر اچانک اُس کے دل میں کوئی خیال آیا اور اُس نے مُڑ کر اپنی کمان اور ترکش یوسیبیا کے سامنے پھینکتے ہوئے کہا "آپ نے کہا تھا کہ آپ بچپن میں تیر اندازی سیکھا کرتی تھیں۔ میں احتیاطاً اپنی کمان اور ترکش آپ کے پاس چھوڑے جا رہا ہوں، ہم عرب اگر چاروں طرف سے مایوس ہو جائیں تو ہماری آخری خواہش یہ ہوتی ہے کہ مرنے سے پہلے کم از کم اپنے ایک دشمن کو اپنے ساتھ لیتے جائیں۔"

یوسیبیا کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن عاصم بھاگتا ہوا ٹیلے پر چڑھا اور اُن کی نگاہوں سے روپوش ہو گیا۔



سڑک کے کنارے ایک قدیم سرائے کے کھلے احاطے میں تقریباً سَو مرد عورتیں اور بچے جمع تھے جن میں سے چند ایک طرف چٹائی پر بیٹھے کھانا کھا رہے تھے اور باقی سرائے کے مالک سے جھگڑ رہے تھے۔ ایک طرف ایک چھپر کے نیچے سات گھوڑے بندھے ہوئے تھے اور دوسری طرف چند اونٹ بیٹھے جگالی کر رہے تھے۔ عاصم سڑک سے اتر کر احاطے میں داخل ہوا۔ لوگ اُسے ایک رومی سمجھ کر اُس کے گرد جمع ہو گئے اور ایک مسافر نے شکایت کی "جناب ہمارے بچے بھوک سے بلک رہے ہیں اور سرائے کا مالک ہمیں کھانا نہیں دیتا۔ یہ یہودی ہے آپ اسے سمجھائیے!"

سرائے کا مالک اپنی بھاری توند ہلاتا ہوا آگے بڑھ کر چلایا "حضور! میں یہودی نہیں، عیسائی ہوں، میں انہیں

سمجھ رہا ہوں کہ آج دو قافلے یہاں سے گزرے ہیں اور وہ باسی ٹکڑے تک ہڑپ کر گئے ہیں۔ اگر یہ تھوڑی دیر صبر کریں تو میں انہیں سوکھی روٹیاں دے سکتا ہوں لیکن یہ میری بات نہیں سنتے۔"

عاصم نے شور مچانے والوں کی طرف متوجہ ہو کر کہا "تم تھوڑی دیر صبر کیوں نہیں کرتے۔ تم چاہتے ہو کہ یہ شخص اپنا کاروبار بند کر کے بھاگ جائے؟"

لوگ جو عاصم کے الفاظ سے زیادہ اُس کے رومی لباس سے مرعوب تھے۔ ادھر ادھر ہٹ گئے۔

سرائے کے مالک نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "جناب! ایرانی جاسوسوں کا کوئی پتا چلا؟"

"کون سے ایرانی جاسوس؟" عاصم نے اپنی بدحواسی پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے پوچھا۔

سرائے کے مالک نے غور سے عاصم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "معاف کیجئے میں سمجھا تھا کہ آپ اُن لوگوں کے ساتھی ہیں جو صبح سے ہماری بستی کے ایک ایک گھر کی تلاشی لے رہے ہیں۔"

عاصم نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے پوچھا "یہ تلاشی لینے والے کون ہیں؟" سرائے کے مالک نے جواب دیا۔ "جناب! وہ یروشلم سے آئے ہیں اور کہتے ہیں کہ دو عورتیں جو وہاں ایرانیوں کی جاسوسی کر رہی تھیں فرار ہو کر اس طرف آئی ہیں۔ اُن کا یہ بھی کہنا ہے کہ کوئی رومی افسر اُن کے ساتھ سفر کر رہا ہے۔"

عاصم نے پوچھا "میں حیران ہوں کہ اس بستی کے لوگوں نے ایران کے جاسوسوں کو پناہ دینے کی جرأت کیسے کی!"

"جناب! بستی کے لوگ روم کے غدار نہیں ہو سکتے لیکن انہیں ہماری باتوں پر یقین نہیں آتا۔ وہ پہلے میری سرائے میں آئے تھے اور سرائے کی تلاشی لینے کے بعد لوگوں کے گھروں میں گھس گئے ہیں۔"

"وہ کتنے آدمی ہیں؟"

"پانچ ہیں جناب! اور انہوں نے یہ دھمکی دی ہے کہ اگر یہاں سے وہ جاسوس عورتیں برآمد نہ ہوئیں تو بستی کو آگ لگا دی جائے گی۔"

"آپ کہاں سے آئے ہیں؟"

"میں دمشق سے آ رہا ہوں اور کسی تاخیر کے بغیر یروشلم پہنچنا چاہتا ہوں، میرے گھوڑے نے یہاں سے کچھ دور دم توڑ دیا ہے اور میں پیدل یہاں پہنچا ہوں ـــــ اب مجھے ایک تازہ دم گھوڑے کی ضرورت ہے۔"

"جناب! میرے پاس صرف دو گھوڑے تھے اور وہ یروشلم کے سپاہیوں نے اپنے لئے رکوا لئے ہیں۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ ہمیں تازہ دم گھوڑوں کی ضرورت ہے۔ اگر آپ اُن کے افسر کو رضامند کر لیں تو مجھے آپ کو اپنا بہترین گھوڑا دینے میں کوئی تکلف نہ ہوگا۔ وہ دیکھئے میرا ابلق گھوڑا کتنا خوبصورت ہے؟"

عاصم نے جواب دیا "اگر وہ ایرانی جاسوسوں کا پیچھا کر رہے ہیں تو مجھے اُن کے کام میں رکاوٹ نہیں ڈالنی چاہیئے۔ تم میرے لئے اگر ایک اونٹ کا بندوبست کر دو تو میں اسے بھی غنیمت سمجھوں گا۔ میں یروشلم کے حاکم کے پاس ایک نہایت ضروری پیغام لے کر جا رہا ہوں، اگر آگے کسی بستی سے مجھے گھوڑا مل گیا تو میں تمہارا اونٹ وہیں چھوڑ دوں گا۔ اس خدمت کے لئے تمہیں معقول انعام دیا جائے گا۔"

سرائے کے مالک نے کہا "جناب یہ اونٹ ان مسافروں کے تھے اور یروشلم کے سپاہیوں نے یہ بھی چھین لئے ہیں۔ آپ کو اُن سے بات کرنی چاہیئے۔ وہ تھوڑی دیر میں آ جائیں گے۔ اور اگر آپ برا نہ مانیں تو میں آپ سے دمشق کے متعلق کچھ پوچھوں، کیا یہ درست ہے کہ دمشق پر ایرانیوں نے حملہ کر دیا ہے؟"

ایک بوڑھے نے آگے بڑھ کر کہا "ہاں، جناب! خدا کے لئے۔ ہمیں سچ سچ بتایئے کیا رومی فوج دمشق کی حفاظت کر سکے گی۔؟"

"دمشق کی حفاظت بہر قیمت ہوگی۔ تمہیں پریشان نہیں ہونا چاہیئے، ایرانی لشکر کو دمشق سے کوسوں دور رکھنے کی کوشش کی جائے گی۔"

ایک نوجوان نے آگے بڑھ کر کہا "جناب! دمشق پر حملہ ہو چکا ہے میں وہیں سے آ رہا ہوں، آپ ہمیں کب تک جھوٹی تسلیاں دیں گے۔"

پریشان لوگ اب عاصم کے گرد جمع ہو رہے تھے اور وہ کہہ رہا تھا "تم کو یہ معلوم نہیں کہ لوگوں میں سراسیمگی پھیلانا کتنا بڑا جرم ہے۔"

ایک اور آدمی نے آگے بڑھ کر کہا "جناب! ہمیں معلوم ہے۔ لیکن لوگوں سے صحیح حالات چھپانے کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ غلط افواہوں پر بھی یقین کر لیتے ہیں۔"

عاصم وہاں سے کھسکنے کا ارادہ کر رہا تھا کہ پانچ مسلح سپاہی وہاں آ پہنچے اور عاصم اپنے دل میں ناخوشگوار

دھڑکنیں محسوس کرنے لگا۔ لیکن خوش قسمتی سے یہ پانچوں شامی تھے۔ اُن میں سے ایک نے جو اپنے لباس سے کوئی افسر معلوم ہوتا تھا عاصم کو دیکھتے ہی آگے بڑھ کر سلام کیا اور پوچھا۔ "آپ کہاں سے آئے ہیں؟"

"میں دمشق سے آرہا ہوں۔"

"یہاں کب پہنچے تھے؟"

"ابھی پہنچا ہوں۔"

"آپ نے راستے میں ایک رومی افسر اور دو عورتیں دیکھی ہیں؟"

"رات کے وقت میں نے اِس طرف آنے والے کئی قافلے دیکھے ہیں۔ لیکن میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ جن عورتوں اور رومی افسر کے متعلق آپ پوچھ رہے ہیں وہ اُن کے ساتھ تھے یا نہیں۔"

"میں جن لوگوں کے متعلق پوچھ رہا ہوں وہ یروشلم سے دمشق کی طرف جا رہے ہیں۔"

عاصم نے کہا۔ "رات کے وقت مجھے دمشق کی طرف جانے والا کوئی مسافر نہیں ملا۔ اور طلوعِ سحر کے بعد بھی میں نے کسی عورت کو اُس طرف جاتے نہیں دیکھا۔ میرے گھوڑے نے پچھلے پہر راستے میں دم توڑ دیا تھا اور میں پیدل چل کر یہاں پہنچا ہوں۔ مجھے دمشق کے سپہ سالار نے ضروری ہدایات دے کر یروشلم بھیجا ہے اور مجھے ایک تازہ دم گھوڑے کی ضرورت ہے۔"

شامی افسر نے مشکوک نگاہوں سے عاصم کی طرف دیکھا اور پوچھا۔ "آپ دمشق سے تنہا سفر کر رہے ہیں؟"

"ہاں ـــــ"

"راستے میں آپ نے کسی جگہ قیام نہیں کیا؟"

"نہیں ـــــ"

شامی افسر نے عاصم کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے کہا۔ "یہ عجیب بات ہے کہ یہاں سے چار کوس کے فاصلے پر ہماری چوکی ہے جہاں آٹھ دس گھوڑے ہر وقت موجود رہتے ہیں لیکن آپ وہاں سے مدد لینے کی بجائے یہاں پہنچ گئے ہیں۔"

عاصم کی حالت اُس شخص کی سی تھی جس کی گردن میں اچانک پھندا ڈال دیا گیا ہو، تاہم اُس نے اپنے اضطراب پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "شاید آپ کو معلوم نہیں کہ چوکی کے محافظوں کو دمشق بلا لیا گیا ہے۔"

ایک آدمی نے آگے بڑھ کر کہا۔ "جناب! جب گزشتہ شام ہمارا قافلہ وہاں سے گزرا تھا تو چوکی کے سپاہی وہیں تھے۔"

شامی افسر اور اُس کے ساتھی جواب طلب نگاہوں سے عاصم کی طرف دیکھنے لگے لیکن اُس نے انتہائی پریشانی کے باوجود مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "چوکی کے سپاہی مجھے آدھی رات گزرنے کے تھوڑی دیر بعد راستے میں ملے تھے۔ اگر اُس وقت مجھے معلوم ہوتا کہ میرا گھوڑا آگے چل کر جواب دے جانے گا تو میں یقیناً اُن میں سے کسی کا گھوڑا چھین لیتا۔ اُس وقت میں نے یہ بھی نہیں سوچا تھا کہ وہ چوکی کے تمام گھوڑے اپنے ساتھ لے آئے ہیں۔"

شامی افسر بظاہر مطمئن ہو چکا تھا لیکن عاصم کا دل گواہی دے رہا تھا کہ اُس کے شبہات دُور نہیں ہوئے۔

سرائے کے مالک نے پوچھا۔ "جناب! کھانے کے متعلق آپ کا کیا حکم ہے؟"

شامی افسر نے جواب میں کہا۔ "کھانا تیار ہو چکا ہے تو لے آؤ۔"

وہ بولا۔ "جناب! آپ کے لئے کھانا تیار ہو چکا ہے۔ لیکن آپ اندر تشریف لے چلیں یہاں یہ لوگ آپ کو پریشان کریں گے۔"

شامی نے عاصم سے کہا۔ "میرے خیال میں آپ نے بھی کھانا نہیں کھایا ہوگا۔ چلئے، کھانے کے بعد ہم آپ کے سفر کا بندوبست کر دیں گے۔"

جب وہ کمرے کے دروازے کے قریب پہنچے تو شامی نے اپنے ایک آدمی کو الگ بُلا کر کوئی بات سمجھائی اور وہ اُس چھپر کی طرف بھاگ گیا، جس میں گھوڑے بندھے ہوئے تھے۔ پھر جب عاصم نے کمرے کے اندر داخل ہوتے وقت مڑ کر دیکھا تو وہ ایک گھوڑے پر سوار ہو کر سڑک کا رُخ کر رہا تھا۔

عاصم کو تھوڑی دیر قبل یہ اطمینان تھا کہ اگر یہ لوگ واپس چلے جائیں تو فسطینہ اور اُس کی ماں مزید خدشات کا سامنا کئے بغیر اپنا سفر جاری رکھ سکیں گی۔ چنانچہ وہ ان کے ساتھ یروشلم جانے کے لئے تیار تھا اور اُسے اس بات کی کوئی پرواہ نہ تھی کہ وہاں اُس کے ساتھ کیا سلوک ہوگا۔ لیکن اب اُسے یہ بات پریشان کر رہی تھی کہ ان میں سے ایک آدمی گھوڑے پر سوار ہو کر کہیں جا چکا ہے۔ اور اگر اُسے چوکی کے حالات معلوم کرنے کے لئے بھیجا گیا ہے تو اُسے واپس آنے میں دیر نہیں لگے گی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ چوکی کے سپاہی اُس کے ساتھ آجائیں اور وہ فسطینہ اور اُس کی

ماں کو تلاش کرنے کے لئے اس علاقے کا گوشہ گوشہ چھان ماریں۔ پھر یہ حقیقت بھی زیادہ دیر چھپی نہیں رہ سکتی کہ میں رومی نہیں ہوں —— اب مجھے کیا کرنا چاہیئے؟ اب میں کیا کر سکتا ہوں؟"

ایک نوکر نے کھانا لا کر بوسیدہ میز پر رکھ دیا۔ عاصم کی بھوک مر چکی تھی تاہم وہ ان لوگوں کو مطمئن کرنے کے لئے کھانا کھا رہا تھا۔

شامی افسر نے کہا۔ "ہم دمشق کے متعلق بہت پریشان ہیں، وہاں سے متضاد خبریں آ رہی ہیں۔ چند دن قبل ہم نے یہ سنا تھا کہ ہماری فوج شہر کے باہر نکل کر دشمن کا مقابلہ کرے گی۔ لیکن آج یہ افواہ گرم ہے کہ ایرانیوں نے شہر پر حملہ کر دیا ہے —— آپ کو صحیح حالات کا علم ہوگا۔"

عاصم نے جواب دیا۔ "میں آپ کو صرف اتنا بتا سکتا ہوں کہ دمشق میں ایرانی لشکر کو عبرتناک تباہی کا سامنا کرنا پڑے گا۔"

شامی افسر نے عاصم کے چہرے پر نگاہیں گاڑتے ہوئے کہا۔ "یہ عورتیں جنہیں ہم تلاش کر رہے ہیں ایرانیوں کی جاسوس ہیں۔ ہمیں اطلاع ملی ہے کہ ایک رومی افسر بھی اُن کے ساتھ ہے لیکن خدا معلوم یہ لوگ کہاں غائب ہو گئے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ہم انہیں پیچھے چھوڑ آئے ہیں اور وہ کسی بستی میں چھپے ہوئے ہیں۔ تاہم میں نے احتیاطاً ایک آدمی کو آگے بھیج دیا ہے اگر وہ آگے نکل گئے ہیں تو چوکی کے آس پاس کسی بستی سے اُن کا سراغ مل جائے گا۔"

عاصم نے پوچھا۔ "آپ کب سے ان جاسوسوں کا پیچھا کر رہے ہیں؟"

"کل سہ پہر سے ہم نے ایک لمحہ آرام نہیں کیا۔ یروشلم کی فوج انہیں الرقیم کے راستے پر تلاش کر رہی ہے۔ لیکن شہر کے حاکم کو یہ شبہ تھا کہ وہ ہمیں چکمہ دے کر دمشق پہنچنے کی کوشش کریں گی، چنانچہ مجھے اس راستے پر اُن کا پتا لگانے کی ہدایت کی گئی ہے۔ ہمارا خیال تھا کہ ہم راستے کی کسی بستی میں چھپ کر اُن کا انتظار کریں گے لیکن یروشلم سے چند میل باہر ہمیں دمشق سے آنے والے سپاہی ملے اور انہوں نے بتایا کہ ہم نے ان جاسوسوں کو ایک رومی افسر کے ساتھ راستے میں دیکھا ہے۔ میں دس آدمی پیچھے چھوڑ آیا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ انہوں نے اس وقت تک سڑک کے آس پاس تمام بستیاں چھان ماری ہوں گی۔ جب ہمارا ساتھی اگلی چوکی سے اُن کا پتا معلوم کر کے آجائے گا تو ہم بھی واپس ہو جائیں گے آپ کو یقین ہے کہ چوکی خالی ہو چکی ہے؟"

عاصم نے جواب دیا۔ "ہو سکتا ہے کہ وہاں دو چار آدمی موجود ہوں لیکن گھوڑے وہاں نہیں تھے؟"

اچانک باہر گھوڑے کی ٹاپ سنائی دی اور چند ثانیے بعد ایک سرپٹ سوار نے صحن میں جمع ہونے والے لوگوں کے قریب پہنچ کر پوری قوت سے گھوڑے کی باگیں کھینچیں اور نیچے کود کر بھاگتا ہوا سرائے کی طرف بڑھا۔ یہ وہی تھا جسے شامی افسر نے اگلی چوکی کی طرف روانہ کیا تھا۔ وہ ہانپتا ہوا کمرے میں داخل ہوا اور بے اختیار چلّانے لگا۔ "جناب! غضب ہو گیا، ایرانی لشکر دمشق میں داخل ہو گیا ہے۔"

ایک ثانیے کے لئے شامی افسر کے منہ سے کوئی بات نہ نکل سکی پھر اُس نے اُٹھ کر پوچھا۔ "تم اتنی جلدی چوکی سے ہو کر واپس کیسے آ گئے ہو؟"

وہ بولا۔ "جناب! فوج کا ایک دستہ مجھے راستے میں ملا ہے۔ وہ میرے پیچھے آ رہا ہے۔ ایک زخمی سپاہی گھوڑے سے گر پڑا تھا، اُس نے مجھے بتایا کہ ایرانی دمشق میں داخل ہو چکے ہیں۔ میرا گھوڑا تازہ دم تھا، اس لئے میں اُن سے آگے نکل آیا ہوں، وہ زیادہ دور نہیں ہیں۔"

شامی افسر نے غضب ناک ہو کر کہا۔ "تم چوکی تک کیوں نہیں گئے ہو؟"

"جناب یہ خبر آپ کے لئے کوئی اہمیت نہیں رکھتی کہ ایرانی دمشق میں داخل ہو چکے ہیں۔ اور وہاں قتل عام ہو رہا ہے؟"

آن کی آن میں یہ وحشت انگیز خبر صحن کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پہنچ چکی تھی اور پریشان حال لوگ جن کی زبانیں تھوڑی دیر کے لئے گنگ ہو گئی تھیں، چیختے چلاتے کمرے کے اندر اور باہر جمع ہو رہے تھے۔ پھر اچانک دور سے گھوڑوں کی ٹاپ اور رتھوں کی گڑگڑاہٹ سنائی دینے لگی اور باہر سے کوئی بلند آواز میں چلایا۔ "فوج آ رہی ہے فوج آ رہی ہے۔" اور وہ سڑک کی طرف بھاگنے لگے۔

شامی افسر اور اُس کے ساتھی کمرے سے نکل گئے اور عاصم اُن کے پیچھے چل دیا۔ شامی افسر نے صرف ایک بار مڑ کر اُس کی طرف دیکھا اور یہ اطمینان کرنے کے بعد کہ وہ بھی اُن کے ساتھ آ رہا ہے بھاگ کر سڑک کے کنارے جمع ہونے والے ہجوم سے جا ملا۔ عاصم نے ادھر اُدھر دیکھا، صحن خالی ہو چکا تھا۔ لوگوں کی نگاہیں شام کے راستے پر لگی ہوئی تھیں۔ عاصم چند قدم، سڑک کی طرف، اٹھانے کے بعد پیچھے کی طرف مڑا اور گھوڑوں کی قطار کے پیچھے چھپ کر کھڑا ہو گیا۔ یہ اطمینان کر لینے کے بعد کہ اب اُسے سڑک کی طرف سے کوئی نہیں دیکھ سکتا، اُس نے ابلق گھوڑے کا

توبڑا اتار کر اُسے لگام دی، اس کے بعد دو اور گھوڑوں کے توبڑے اتارے اور ان میں جتنا اناج تھا وہ ایک توبڑے میں ڈال کر زین سے باندھ دیا پھر جلدی سے رسا کھولا اور گھوڑے کو چھپر سے نکال کر زیتون کے درختوں میں سے گزرتا ہوا سرائے کی پچھلی طرف پہنچا اور اُس پر سوار ہو گیا۔

کچھ لوگ ابھی تک آس پاس کے مکانوں اور جھونپڑیوں سے نکل نکل کر سڑک کا رُخ کر رہے تھے لیکن کسی نے اُس کی طرف توجہ نہ دی۔ ایک عورت نے اُسے ہاتھ کے اشارے سے روکنے کی کوشش کی لیکن عاصم نے اُس کی طرف متوجہ ہونے کی بجائے گھوڑے کی رفتار تیز کر دی۔

اس عرصے میں شامی افسر کے ساتھ ایک دلچسپ واقعہ پیش آ چکا تھا۔ سپاہیوں کا دستہ جو رتھوں اور سواروں پر مشتمل تھا سرائے کے قریب پہنچا تو اُن کی رفتار سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ یہاں نہیں رکیں گے۔ شامی افسر اچانک اپنے دونوں ہاتھ بلند کر کے سڑک کے بیچ میں کھڑا ہو گیا۔ اگلی رتھ پر ایک قوی ہیکل رومی نے اپنی پوری طاقت سے باگیں کھینچ کر گھوڑوں کو روکا تو شامی افسر نے قریب آ کر ادب سے سوال کیا۔

"جناب! میں آپ سے دمشق کے متعلق پوچھنا چاہتا ہوں؟"

"کیا پوچھنا چاہتے ہو؟" رومی نے غصے سے اپنے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا۔

"جناب! میں نے ابھی ایک منحوس خبر سنی ہے۔"

"اور یہ منحوس خبر سننے کے بعد بھی تم راستہ روک کر ہمارا وقت ضائع کرنا چاہتے ہو؟"

"جناب! میں پچھلی چوکی کے سپاہیوں کے متعلق پوچھنا چاہتا ہوں۔ وہ دمشق چلے گئے ہیں یا راستے سے آپ کے ساتھ لوٹ آئے ہیں؟"

رومی افسر کی قوتِ برداشت جواب دے چکی تھی اُس نے کچھ کہے بغیر شامی کے ایک کوڑا رسید کر دیا اور ساتھ ہی اپنے رتھ کے گھوڑوں کی باگیں ڈھیلی چھوڑ دیں۔ آن کی آن میں آٹھ رتھ اور اُن کے پیچھے کوئی ڈیڑھ سو سوار آگے نکل گئے۔ اور تماشائی پریشان حال شامی افسر کے گرد جمع ہونے لگے۔ شامی افسر نے چاروں طرف دیکھا اور بلند آواز میں کہا۔

"وہ کہاں ہے؟ وہ رومی کہاں گیا؟"

اُس کے ایک ساتھی نے جواب دیا "جناب! وہ یہیں تھا۔ وہ ہمارے ساتھ آ رہا تھا۔"

شامی افسر لوگوں کو دھکے دے کر اپنے راستے سے ہٹاتا ہوا سرائے کی طرف بھاگا اور پھر صحن میں نظر دوڑانے کے بعد چلانے لگا۔ "اُسے تلاش کرو، اُسے پکڑو اگر وہ نکل گیا تو میں تمہاری کھالیں اتروا دوں گا۔"

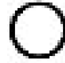
سرائے کے مالک نے بھاگ کر چھپر کی طرف دیکھا اور اپنے ماتھے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ "جناب! غضب ہو گیا وہ میرا ابلق گھوڑا لے گیا ہے۔"

شامی افسر نے بھاگ کر ایک گھوڑے کا رسا کھولتے ہوئے کہا۔ "وہ زیادہ دور نہیں جا سکتا، اُس کے ساتھی کہیں آس پاس ہی چھپے ہوئے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ ان عورتوں کا ساتھی ہے۔ تم جلدی سے گھوڑوں پر سوار ہو جاؤ۔"

ایک آدمی نے کہا۔ "جناب! ابلق گھوڑے پر ایک سوار ابھی اُس طرف جا رہا تھا۔"

دوسرے نے کہا۔ "جناب! میں نے بھی اُسے دیکھا ہے لیکن وہ ایک رومی افسر تھا۔"

"بیوقوف وہ رومی نہیں تھا۔" شامی نے گھوڑے پر اچھل کر بیٹھتے ہوئے کہا۔



یوسیبیا نے اضطراب کی حالت میں اپنی بیٹی کی طرف دیکھا اور کہا۔ "فسطینہ! اُسے بہت دیر ہو گئی ہے۔ اب ہم کیا کریں؟"

"امی مجھے ڈر ہے کہ وہ گرفتار ہو چکا ہے۔"

اُس نے ہمیں تاکید کی تھی کہ اگر مجھے دیر ہو جائے تو تمہیں انتظار نہیں کرنا چاہیے۔"

"امی آپ جانتی ہیں کہ اُس کے بغیر ہم سفر نہیں کر سکتے۔"

یوسیبیا نے کہا۔ "تمہیں یقین ہے کہ وہ ہمارے ساتھ دھوکا نہیں کرے گا؟"

فسطینہ نے جواب دیا۔ "اُس کی نیک نیتی کا اِس سے بڑا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے کہ وہ اپنا گھوڑا ہمارے پاس چھوڑ گیا ہے۔"

یوسیبیا نے کہا۔ "بیٹی میں اُس کی نیت پر شبہ نہیں کرتی۔ مجھے صرف یہ ڈر ہے کہ اگر گرفتار کرنے والوں نے جسمانی اذیتیں دے کر ہمارا پتا معلوم کرنے کی کوشش کی تو ممکن ہے کہ وہ ہمت ہار دے۔ آخر ہم نے اُس

پر کون سا احسان کیا ہے کہ وہ ہماری خاطر اپنی کھال اتروانے کے لئے تیار ہو جائے گا۔"

"امی میرا دل گواہی دیتا ہے کہ وہ ہمارے ساتھ دھوکا نہیں کرے گا۔ اگر وہ زندہ ہے تو ضرور واپس آئے گا۔ اُس کی صورت دیکھ کر مجھے بار بار یہ احساس ہوتا تھا کہ اگر وہ میرا بھائی ہوتا تو بھی میں اُس پر اس سے زیادہ اعتماد نہ کر سکتی۔ میں دوبارہ ٹیلے پر چڑھ کر دیکھتی ہوں۔" فسطینہ یہ کہہ کر کھڑی ہو گئی۔

یوسیبیا نے کہا۔ "بیٹی! بہت احتیاط سے کام لینا چاہیئے۔ اگر تمہیں دوسری طرف سے کسی نے دیکھ لیا تو یہ بہت خطرناک بات ہوگی۔ ٹھہرو میں تمہارے ساتھ چلتی ہوں۔"

یوسیبیا ترکش اور کمان اٹھا کر فسطینہ کے ساتھ ٹیلے پر چڑھنے لگی۔ تھوڑی دیر بعد ماں اور بیٹی چوٹی پر ایک پتھر کی اوٹ سے دوسری طرف دیکھ رہی تھیں۔ ٹیلے سے کوئی آدھ میل دور دو چرواہے بھیڑوں کا ایک گلہ ہانک رہے تھے ان سے آگے ایک بل کھاتی ہوئی سڑک جس پر مسافروں کے چھوٹے چھوٹے قافلے نظر آتے تھے۔ بستی کے درختوں میں روپوش ہو جاتی تھی۔

وہ دیر تک ٹکٹکی باندھے دیکھتی رہیں، بالآخر یوسیبیا نے کہا۔ "فسطینہ! اگر وہ نہ آیا تو ہم بھوکے اور پیاسے گھوڑوں پر زیادہ دور نہیں جا سکیں گے۔"

اچانک فسطینہ نے بائیں طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "وہ دیکھو، امی! ایک سوار اس طرف آرہا ہے۔ شاید دشمن کو ہمارا سراغ مل گیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اُس کے پیچھے ایک فوج ہوگی۔"

یوسیبیا کے چہرے پر اچانک زردی چھا گئی اور اُس نے مغموم لہجے میں کہا۔ "بیٹی مجھے کچھ نظر نہیں آتا۔"

"ان درختوں کی طرف دیکھو امی! وہ سیدھا اس طرف آرہا ہے۔"

یوسیبیا چلائی۔ "بیٹی وہ سچ مچ اس طرف آرہا ہے۔ معلوم ہوتا ہے ہمارے ساتھی نے انہیں ہمارا پتا دے دیا ہے۔ اب تم میرا کہا مانو اور بھاگ کر گھوڑے پر سوار ہو جاؤ۔ وہ کہتا تھا کہ میرا گھوڑا بہت سخت جان ہے۔ مجھے یقین ہے کہ تم عزت بچا سکو گی۔ میں انہیں روکنے کی کوشش کروں گی۔ اگر وہ تعداد میں زیادہ ہوئے تو بھی کم از کم میرے دو تیر خالی نہیں جائیں گے۔"

فسطینہ نے کہا۔ "امی آپ یہ سمجھ رہی ہیں کہ میں آپ کو چھوڑ کر بھاگ جاؤں گی؟"

یوسیبیا نے کہا۔ "فسطینہ جلدی کرو۔ ممکن ہے کہ تم گھر پہنچ کر میرے لئے کچھ کر سکو۔"

فسطینہ چند ثانیے بے حس و حرکت کھڑی ماں کی التجائیں سنتی رہی، بالآخر وہ چلائی۔ "امی! ذرا غور سے دیکھو، وہ آرہا ہے، وہ زندہ ہے، اُس نے ہمارے ساتھ دھوکا نہیں کیا۔ وہ دو بے بس عورتوں کے ساتھ دھوکا نہیں کر سکتا تھا۔"

تھوڑی دیر میں عاصم ٹیلے کے قریب پہنچ گیا۔ تیز رفتار گھوڑا چند چھلانگوں میں ٹیلے کے وسط تک پہنچ گیا لیکن اس سے آگے چڑھائی سخت تھی اور اُس کے پاؤں پھسل رہے تھے۔ عاصم گھوڑے سے کود پڑا اور اُس کی باگ پکڑ کر پیدل دوڑنے لگا۔ فسطینہ پتھر کی آڑ سے نکل کر چند قدم آگے بڑھی تو وہ بلند آواز میں چلایا۔ "فسطینہ! پیچھے چھپ جاؤ۔ وہ آرہے ہیں، جلدی کرو۔"

فسطینہ بدحواس ہو کر پیچھے پلٹی اور پتھر کی اوٹ سے سامنے دیکھنے لگی۔ اچانک اُس کی رگوں کا سارا خون منجمد ہو کر رہ گیا۔ دائیں طرف چند سوار درختوں کے جھنڈ سے نمودار ہو رہے تھے۔

یوسیبیا نے کہا۔ "فسطینہ! اب بھی وقت ہے تم بھاگ جاؤ۔"

لیکن اُس نے اپنی پریشانی پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے جواب دیا۔ "امی! اب میں کسی سے نہیں ڈرتی۔"

عاصم نے چند قدم چوٹی کے دوسری طرف اترنے کے بعد کہا۔ "فسطینہ! اس گھوڑے کی باگ پکڑ لو اور اپنی ماں کے ساتھ فوراً نیچے چلی جاؤ۔"

فسطینہ نے آگے بڑھ کر گھوڑے کی باگ پکڑلی اور عاصم نے یوسیبیا کے ہاتھ سے کمان اور ترکش لیتے ہوئے کہا۔ "آپ فوراً یہاں سے روانہ ہو جائیں۔ یہ گھوڑا تازہ دم ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ میرا گھوڑا ابھی اس کا ساتھ دے سکے گا۔ ان پہاڑیوں کی اوٹ میں کوئی ایک کوس چلنے کے بعد آپ دمشق کے راستے پر پہنچ جائیں گی۔ یہ آپ کا آخری مرحلہ ہے مجھے یقین ہے کہ اس کے بعد کوئی آپ کا تعاقب نہیں کرے گا۔ دمشق پر ایرانیوں کا قبضہ ہو چکا ہے اور راستے میں جو لوگ آپ کو ملیں گے وہ آپ سے زیادہ پریشان ہوں گے۔ اب جلدی کیجئے، میں آپ سے بہت جلد آملوں گا — لیکن آپ میرا انتظار نہ کریں۔ میں یہ اطمینان کر چکا ہوں کہ آپ کو تلاش کرنے والے اس بستی سے آگے نہیں گئے — اور میں آپ کو یہ یقین بھی دلا سکتا ہوں کہ ان پانچ آدمیوں میں سے، جو اس وقت میرے

پیچھے آ رہے ہیں۔ کوئی آپ کا تعاقب کرنے کی جرأت نہیں کرے گا۔"

فسطینہ کی ماں اُس کا بازو پکڑ کر کھینچنے لگی۔ لیکن اُس نے آبدیدہ ہو کر عاصم کی طرف دیکھا اور کہا "آپ تنہا اُن پانچ آدمیوں کا مقابلہ کریں گے ؟"

"تم میری فکر نہ کرو۔ میرا ترکش تیروں سے بھرا ہوا ہے۔ میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ وہ تمہاری طرف متوجہ نہ ہوں۔ دیکھو وقت ضائع نہ کرو۔ مجھے اس بات کا یقین ہو چکا ہے کہ قدرت تمہیں ان بھیڑیوں سے بچانا چاہتی ہے وہ تمہارا بال بیکا نہیں کر سکتے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو یہ تمام واقعات اس طرح پیش نہ آتے۔ آپ کو ایک تازہ دم گھوڑے کی ضرورت تھی وہ میں لے آیا ہوں۔ میرا گھوڑا بھوکا تھا اُس کے لئے مجھے اناج کا توبڑا مل گیا ہے۔ اگر آپ کو راستے میں کوئی ضرورت پیش آئی تو میری خرجین میں پڑے ہوئے چند سکے آپ کے کام آسکیں گے۔ اب جائیے!"

فسطینہ اپنے آنسو پونچھتی ہوئی ماں کے ساتھ چل پڑی ــــ عاصم نے اپنی کمان اور ترکش پتھروں کی آڑ میں رکھ دیئے اور چند قدم آگے بڑھ کر ٹیلے کے دوسری طرف دیکھنے لگا۔

پانچ سوار ٹیلے کے نیچے پہنچ کر رکے اور گھوڑوں سے کود کر ایک نصف دائرے میں اوپر چڑھنے لگے۔

شامی افسر نے بلند آواز میں کہا "اب تم بچ کر نہیں جا سکتے۔ ہمیں معلوم ہے کہ ایران کی جاسوس عورتیں تمہارے ساتھ ہیں۔ اگر تم انہیں ہمارے حوالے کر دو تو میں تمہاری جان بچانے کا ذمہ لیتا ہوں۔"

عاصم نے جواب دیا "تمہیں تھیوڈوسیس کی بیٹی اور نواسی پر ایرانیوں کے جاسوس ہونے کا الزام لگاتے ہوئے شرم آنی چاہیئے۔"

شامی افسر نے کہا "تھیوڈوسیس کی بیٹی کا شوہر ایک ایرانی ہے لیکن اگر وہ ایرانیوں کی جاسوس نہ ہو تو بھی ہم کوئی فیصلہ نہیں دے سکتے۔ ہم صرف یروشلم کے حاکم کے حکم کی تعمیل کر رہے ہیں۔"

"تم اپنے گھر کی فکر کیوں نہیں کرتے۔ تمہیں معلوم ہے کہ ایرانی دمشق پر قبضہ کر چکے ہیں اور انہیں یروشلم پہنچنے میں دیر نہیں لگے گی۔"

شامی چلایا "تم ایک غدار ہو اور تمہاری سزا موت ہے۔"

"اس وقت میری بہ نسبت تم موت سے زیادہ قریب ہو۔"

عاصم نے یہ کہہ کر اچانک ایک بھاری پتھر نیچے لڑھکا دیا۔ اور پیچھے ہٹ کر ان پتھروں کی آڑ میں بیٹھ گیا۔ جہاں اُس کا ترکش اور کمان پڑی تھی۔

نیچے سے آواز آئی "تمہارے پتھر ہمارے تیروں کا مقابلہ نہیں کر سکتے اگر تم چاہتے ہو کہ ہم ان عورتوں کو باعزت طریقے سے یروشلم پہنچا دیں تو اپنی تلوار پھینک کر نیچے آجاؤ، ورنہ ہم ان کے ساتھ وہی سلوک کریں گے جو ایرانیوں نے انطاکیہ کی عورتوں کے ساتھ کیا ہے۔"

عاصم نے اٹھ کر دوسری طرف دیکھا۔ فسطینہ اور اُس کی ماں گھوڑوں پر سوار ہو کر کوئی تین سو گز دور جا چکی تھیں پھر وہ حملہ کرنے والوں کی طرف متوجہ ہوا۔ وہ پیٹ کے بل رینگتے ہوئے اوپر آ رہے تھے۔ عاصم نے یکے بعد دیگرے چند پتھر اٹھا کر نیچے پھینک دیئے اور پھر ترکش اور کمان اٹھا کر پتھروں کی آڑ لیتا ہوا بائیں طرف ایک چٹان کی آڑ میں چھپ کر بیٹھ گیا ــــ اب وہ اوپر آنے والے تمام آدمیوں کو اچھی طرح دیکھ سکتا تھا ــــ یہ لوگ سیدھے اوپر چڑھنے کی بجائے دائیں بائیں چکر کاٹ کر اوپر آنے کی کوشش کر رہے تھے۔ بائیں طرف سے دو آدمی چٹان کے بالکل قریب آ چکے تھے۔ اچانک عاصم کی کمان سے ایک تیر نکلا اور ایک سپاہی زخمی ہو کر لڑھکتا ہوا کئی گز نیچے چلا گیا۔ دوسرے نے بھاگ کر ایک پتھر کی آڑ میں پناہ لینے کی کوشش کی لیکن عاصم کا دوسرا تیر اُس کی پسلی میں لگا اور وہ چیخ مار کر ایک طرف گر پڑا۔ باقی تین آدمی جو دائیں ہاتھ، پتھروں کے پیچھے چھپ چھپ کر ایک دوسرے کو ہدایات دے رہے تھے اچانک خاموش ہو گئے۔ عاصم ٹیلے کی چوٹی سے ذرا پیچھے ہٹ کر بھاگتا ہوا دوبارہ ان پتھروں کے پیچھے جا بیٹھا جہاں اُس نے چند ثانیے پہلے پتھر لڑھکائے تھے۔ اچانک اُسے دائیں ہاتھ کوئی آہٹ محسوس ہوئی۔ اُس نے آہستہ سے سر اٹھا کر دیکھا تو ایک آدمی رینگتا ہوا چوٹی کے اُوپر پہنچ چکا تھا، عاصم اور اُس کے درمیان صرف دس قدم کا فاصلہ تھا۔ عاصم نے جلدی سے سر نیچا کر کے اپنی تلوار نکالی اور پھر اچانک پتھروں کی آڑ سے نکلا اور پلک جھپکتے میں اُس کے سر پر جا پہنچا۔ یہ ان سپاہیوں کا افسر تھا اور پیشتر اس کے وہ اپنی کمان سیدھی کر سکتا عاصم کی تلوار کی نوک اُس کی گردن کو چھو رہی تھی۔ عاصم نے کسی توقف کے بغیر اُس کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا "تم میرے تیر کی زد میں تھے لیکن میں نے بلاوجہ ایک آدمی کی جان لینا مناسب نہیں سمجھا۔ اپنے ساتھیوں کو حکم دو کہ وہ ہتھیار پھینک دیں ورنہ مجھے تمہاری گردن سے اس چھوٹے سے سر کا بوجھ اتارنا پڑے گا۔"

شامی افسر نے کہا "تم مجھے قتل کرکے بھاگ نہیں سکو گے۔ تھوڑی دیر میں میرے کئی اور ساتھی یہاں پہنچ جائیں گے"

"لیکن تم اُن کی کارگزاری نہیں دیکھ سکو گے۔ اپنے ساتھیوں کو آواز دو۔"

شامی افسر اپنے ساتھیوں کو آوازیں دینے لگا۔ دو آدمی چند قدم نیچے پتھروں کی اوٹ سے سر نکال کر دیکھنے لگے۔

عاصم نے بلند آواز میں کہا "اگر تم اپنے ساتھی کی جان بچانا چاہتے ہو تو ہتھیار پھینک کر آگے آجاؤ۔"

وہ تذبذب کی حالت میں ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ عاصم نے اپنی تلوار کو ذرا دبایا اور شامی افسر چلایا "تم سنتے نہیں۔ کیا کہہ رہے ہیں۔ جلدی کرو!"

وہ اپنے ہتھیار پھینک کر آگے بڑھے۔ اور عاصم نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے اُٹھ کر کہا "میں تم سے یہ وعدہ کرتا ہوں کہ اگر تم نے میرے حکم کی تعمیل کی تو تمہاری جانیں محفوظ ہیں۔ مجھے تمہارے دو ساتھیوں کی ہلاکت کا افسوس ہے لیکن مجھے کرائے کے سپاہیوں کے ہاتھوں مارا جانا پسند نہ تھا۔"

شامی افسر نے کہا "اب آپ کیا چاہتے ہیں؟"

"میں یہ چاہتا ہوں کہ تم تھوڑی دیر میرا پیچھا نہ کر سکو۔ دیکھو اُس طرف میرے دو گھوڑے بندھے ہوئے ہیں۔ تم اپنے ایک آدمی کو حکم دو کہ وہ اُن کے رسے اتار کر یہاں لے آئے۔ لیکن یاد رکھو اگر اس نے بھاگنے کی کوشش کی تو میں تم دونوں کو قتل کر دوں گا۔"

شامی افسر کے اشارے سے ایک سپاہی نیچے چلا گیا اور عاصم نے دوسرے سے مخاطب ہو کر کہا "تم اپنے ساتھی کے قریب لیٹ جاؤ۔" اُس نے کسی توقف کے بغیر حکم کی تعمیل کی۔

تھوڑی دیر بعد اُن کا تیسرا ساتھی رسے لے کر آگیا۔ عاصم نے ایک رسا بیچ میں سے کاٹ کر دو حصوں میں تقسیم کرتے ہوئے شامی افسر سے کہا "اب تم اٹھ کر اطمینان سے اپنے ساتھیوں کے ہاتھ پاؤں باندھ دو۔"

شامی افسر نے کہا "میں وعدہ کر چکا ہوں کہ ہم تمہارا پیچھا نہیں کریں گے۔"

"میں تمہارے وعدے سے زیادہ اپنی احتیاط پر بھروسا کرنا چاہتا ہوں —— جلدی کرو اور یاد رکھو اگر تمہارے ساتھی سے مجھے کوئی خطرہ پیش آیا تو میں سب سے پہلے تم سے نپٹنے کی کوشش کروں گا۔"

افسر نے دل پر پتھر رکھ کر اپنے ساتھیوں کے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے تو عاصم نے کہا۔ اب تمہاری باری

ہے لیکن تمہیں لٹنے کی ضرورت نہیں میں صرف تمہارے ہاتھ باندھنے چاہتا ہوں۔"

عاصم نے دوسرے رسے سے اُس کے ہاتھ باندھنے اور گلے میں پھندا ڈالنے کے بعد اطمینان سے نیچے پڑے ہوئے سپاہیوں کا معائنہ کیا اور اُن کے ہاتھ پاؤں ذرا مضبوطی سے کس دیئے پھر آگے بڑھ کر پتھروں کی آڑ سے اپنی کمان اور ترکش اٹھایا اور جکڑے ہوئے سپاہیوں کی طرف متوجہ ہو کر کہا "دیکھو! میں تمہارے ساتھی کو اپنے ساتھ لیے جا رہا ہوں۔ اگر مجھے یہ معلوم ہوا کہ کوئی میرا پیچھا کر رہا ہے تو مجھے اس کی گردن کی رسی کھینچنے میں دیر نہیں لگے گی۔ میں تمہیں یہ نہیں بتا سکتا کہ جن خواتین کو تم تلاش کر رہے ہو وہ کہاں ہیں لیکن اگر وہ چند دن تک دمشق نہ پہنچیں تو اس کی لاش مشرقی دروازے پر لٹک رہی ہوگی —— میں نہیں جانتا کہ تمہیں اپنے افسر کی جان کتنی عزیز ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ تم رومیوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اپنے ایک شامی بھائی کی زندگی خطرے میں نہیں ڈالو گے۔ بستی کے لوگ تمہیں بہت جلد تلاش کر لیں گے۔ اس کے بعد تمہارے لئے یہ بہتر ہوگا کہ تم اپنے گھروں کی فکر کرو۔ ایرانی دمشق میں داخل ہو چکے ہیں اور اگر تم نے یروشلم پہنچنے میں تاخیر سے کام لیا تو وہ شاید تم سے پہلے وہاں پہنچ جائیں۔

عاصم اپنے قیدی کے گلے کا رسا پکڑ کر چل دیا۔ اُس کا رُخ ٹیلے کی اُس نشیب کی طرف تھا جہاں یہ لوگ اپنے گھوڑے چھوڑ آئے تھے۔ تھوڑی دیر بعد وہ پہاڑی سے اُتر کر ان جھاڑیوں کے قریب پہنچے جہاں اُن کے گھوڑے بندھے ہوئے تھے۔ عاصم نے تین گھوڑوں کی لگامیں اتار کر انہیں ایک طرف ہانک دیا۔ اس کے بعد ایک گھوڑے پر اپنے قیدی کو لادا اور دوسرے پر خود سوار ہو گیا۔ اس طرف سے ٹیلوں اور پہاڑیوں کی دیوار کے ساتھ ساتھ کچھ دور چلنے کے بعد، وہ نسبتاً ایک آسان راستے سے دوسری طرف جا نکلا۔

تھوڑی دیر بعد جب وہ دمشق کے راستے کے قریب پہنچے تو عاصم نے اپنے قیدی کی طرف متوجہ ہو کر کہا "میں تمہیں کسی مناسب جگہ چھوڑ دوں گا۔ لیکن یہ یاد رکھو کہ تمہارے رسے کا دوسرا سرا میری زین سے بندھا ہوا ہے۔ اگر تم نے راستے میں کسی کو اپنا مددگار سمجھ کر شور مچایا تو مجھے تمہاری زبان مستقل طور پر بند کرنے کے لئے صرف اپنے گھوڑے کو ایڑ لگانے کی ضرورت پیش آئے گی۔ اگر میں راستے میں کسی سے بات کروں تو تم میری تردید نہیں کرو گے مجھے یقین ہے کہ اب تک ایرانیوں کے خوف سے راستے کی تمام چوکیاں خالی ہو چکی ہوں گی۔ تاہم اگر کسی نے ہماری

طرف توجہ کی تو تمہاری بہتری اسی میں ہے کہ میں کسی خطرے کا سامنا کئے بغیر اپنا سفر جاری رکھوں۔"

قیدی نے سراپا التجا بن کر کہا۔ "جناب! میں باپ، بیٹے اور روح القدس کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر آپ مجھے چھوڑ دیں تو میں سیدھا اپنے گھر جاؤں گا۔ اب مجھے اپنے بیوی بچوں سے زیادہ کسی بات کی فکر نہیں۔ دمشق والی شکست کے بعد رومی یروشلم میں نہیں ٹھہریں گے۔ مجھ پر رحم کیجئے۔"

عاصم نے کہا۔ "میں تمہیں زیادہ دور نہیں لے جاؤں گا۔ لیکن میرے لئے یہ اطمینان کرنا ضروری ہے کہ تمہارے ساتھی میرا پیچھا نہیں کر رہے۔"

"جناب! اب اگر ان کی مدد کے لئے یروشلم کی پوری فوج آجائے تو بھی وہ دمشق کا رُخ نہیں کریں گے۔ وہ تو دمشق کی شکست کی خبر سنتے ہی واپس جانا چاہتے تھے۔ میں نے بڑی مشکل سے انہیں آپ کا پیچھا کرنے پر آمادہ کیا تھا۔ اپنے دوسرے ساتھیوں کے متعلق جو پچھلی بستیوں میں آپ کو تلاش کر رہے ہیں میں پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ پوری رفتار سے یروشلم کا رُخ کر رہے ہوں گے۔ پھر آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ آپ کے ساتھ جو عورتیں تھیں وہ کئی کوس دور جا چکی ہیں اور اب انہیں کوئی خطرہ نہیں۔"

"تمہیں کیسے معلوم ہے کہ وہ آگے جا چکی ہیں؟"

"جناب! یہ سمجھنے کے لئے کسی ذہانت کی ضرورت نہیں۔ مجھ سے صرف ایک غلطی ہوئی اور وہ یہ کہ میں نے آپ کو سرائے میں دیکھتے ہی فوراً گرفتار نہیں کیا۔ ورنہ آپ سے چند باتیں کرنے کے بعد مجھے یہ یقین ہو چکا تھا کہ آپ رومی نہیں ہیں۔ میرا خیال تھا کہ آپ شامی ہوں گے۔ یہاں غسانی قبیلے کے کئی معززین رومیوں کا لباس پسند کرتے ہیں لیکن آپ کی بعض باتوں سے میرا یہ شبہ بھی دُور ہو گیا۔

عاصم نے پوچھا۔ "اور اب تمہارے خیال میں میں کون ہوں؟"

قیدی نے کہا۔ "اگر میں غلطی پر نہیں تو آپ خالص عرب ہیں۔ کم از کم آپ کی زبان سے یہی ظاہر ہوتا ہے"

عاصم نے کہا۔ "اچھا، اب ہوشیار ہو جاؤ! میں گھوڑے کی رفتار قدرے تیز کر رہا ہوں۔"

دوپہر کے وقت فسطینہ اور اُس کی ماں نے ایک چھوٹی سی بستی کے قریب ندی کا پل عبور کیا۔ اور فسطینہ نے گھوڑا روکتے ہوئے کہا۔ "امی اب ہم بہت دور آگئے ہیں میرے خیال میں ہمیں اس ندی کے کنارے تھوڑی دیر آرام کر لینا چاہیئے ——— بستی کے اندر داخل ہونا ٹھیک نہیں وہاں لوگ ہمیں پریشان کریں گے۔"

ماں نے کہا۔ "بیٹی! میں تم سے زیادہ تھک گئی ہوں اور اب اگر کوئی خطرہ بھی ہو تو میں آگے نہیں جا سکتی۔"

فسطینہ نے کہا۔ "امی! راستے میں ہمیں کتنے آدمی ملے ہیں، لیکن کسی نے ہماری طرف دیکھنے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی۔ سب کو اپنی اپنی پڑی ہوئی ہے اور یہ بستی بھی شاید خالی معلوم ہوتی ہے۔"

وہ گھوڑوں سے اتریں اور اُن کی باگیں پکڑ کر بائیں طرف چل پڑیں ندی کے بلند کنارے سرسبز درختوں میں چھپے ہوئے تھے۔ پل سے تھوڑی دور انہیں نیچے اترنے کا راستہ دکھائی دیا۔ انہوں نے نیچے جا کر گھوڑوں کو پانی پلایا۔ پھر اپنی پیاس بجھائی اور اس کے بعد درختوں سے گھوڑے باندھ دیئے۔ فسطینہ نے اناج کا توبڑا کھول کر عاصم کے گھوڑے کے منہ پر چڑھا دیا اور اپنی ماں کے پاس سبز گھاس پر بیٹھ گئی۔

بستی سے ایک چرواہا، جو اپنے مویشیوں کو پانی پلانے کے لئے لا رہا تھا، انہیں کچھ فاصلے سے دیکھ کر ٹھٹکا اور پھر تذبذب اور پریشانی کی حالت میں آگے بڑھ کر بولا۔ "آپ دمشق سے تشریف لائی ہیں؟"

فسطینہ کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن یوسیبیا نے اُس کا ہاتھ پکڑ کر روکتے ہوئے کہا۔ "ہاں۔"

"آپ کے ساتھی کہاں ہیں؟"

"وہ پیچھے رہ گئے ہیں۔ ابھی پہنچ جائیں گے۔"

چرواہے نے کہا۔ "ہماری بستی خالی ہو رہی ہے۔ صرف چند لوگ رہ گئے ہیں۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو میرے گھر میں آرام کر سکتی ہیں۔"

یوسیبیا نے کہا۔ "نہیں شکریہ ہم یہاں زیادہ دیر نہیں ٹھہریں گے۔"

چرواہے نے کہا۔ "اگر آپ پسند فرمائیں تو میں آپ کے لئے گھر سے دودھ لا سکتا ہوں۔"

یوسیبیا نے کہا "بہت اچھا لیکن ہم یہ نہیں چاہتے کہ تم بستی کے لوگوں کو جمع کر کے یہاں لے آؤ۔ ہم پہلے پریشان ہیں۔"

"آپ فکر نہ کریں میں کسی کو یہاں نہیں آنے دوں گا۔" چرواہا یہ کہہ کر پوری رفتار سے بستی کی طرف بھاگنے لگا۔

یوسیبیا نے کہا "فسطینہ! اب مجھے کوئی خطرہ محسوس نہیں ہوتا۔ لیکن میں اُس کے متعلق بہت پریشان ہوں۔"

فسطینہ نے اپنی ماں کی طرف دیکھا اور اُس کی خوبصورت آنکھوں میں آنسو چھلکنے لگے۔ پھر اُس نے اچانک پُر امید سی ہو کر کہا "امی! وہ ضرور آئے گا۔ مجھے یقین ہے کہ وہ ضرور آئے گا۔ جب وہ ہمارے لئے گھوڑا لینے گیا تھا تو آپ اُس کی نیت پر شک کرتی رہیں۔"

یوسیبیا نے مغموم لہجے میں کہا "مجھے افسوس ہے کہ میں نے اُس پر شک کیا تھا۔ جب ہم اُس سے جُدا ہو رہے تھے تو میرے دل میں بار بار یہ خیال آ رہا تھا کہ میں اُس سے معافی چاہوں۔ اس سے کہوں کہ میں تمہارے احسان کا بدلہ نہیں دے سکتی۔"

فسطینہ نے کہا "مجھے یقین نہیں آتا کہ وہ ایک عرب تھا۔"

"بیٹی! دنیا کا کوئی خطہ فرشتوں سے خالی نہیں ہو سکتا۔"

مجھے تو اس کا نام بھی یاد نہیں رہا ممکن ہے ہم اُسے دوبارہ نہ دیکھیں، شاید وہ زخمی ہو چکا ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ ....؟"

فسطینہ کی آواز بیٹھ گئی اور وہ سسکیاں لینے لگی۔ "امی! مجھ سے وعدہ کرو کہ ہم کسی دن وہاں جائیں گے۔ نہیں! ہم ہر سال اُن ٹیلوں کا طواف کیا کریں گے، جہاں ہمارے لئے اُس نے اپنا خون گرایا ہے۔ ہم وہاں ایک گرجا تعمیر کروائیں گے۔ جب آپ نانا جان سے کہیں گی تو وہ خوشی سے اُس کی یادگار تعمیر کرنے پر آمادہ ہو جائیں گے میں ابا جان کو بھی مجبور کروں گی کہ وہ اپنی ساری دولت وہاں نذر کریں۔"

یوسیبیا نے کہا "بیٹی حوصلے سے کام لو میرا دل گواہی دیتا ہے کہ وہ ضرور آئے گا۔"

"امی: اگر وہ نہ آیا تو نانا جان اور ابا جان کو اس بات کا کتنا صدمہ ہو گا کہ وہ ہمارے ایک محسن کو کوئی صلہ نہ دے سکے ——— لیکن ....." فسطینہ اچانک اٹھ کھڑی ہوئی اور پل کی طرف دیکھنے کے بعد بولی ......" امی مجھے

پتہ ہے کہ اگر وہ آیا تو سیدھا آگے نکل جائے گا۔ میں پل پر جا کر اُس کا راستہ دیکھتی ہوں۔"

ماں نے برہم ہو کر کہا "فسطینہ پاگل نہ بنو۔ بیٹھ جاؤ۔ تمہارا وہاں جانا ٹھیک نہیں۔ ممکن ہے کوئی ہمارا پیچھا کر رہا ہو۔"

"امی! آپ فکر نہ کریں۔ میں اُن درختوں کے پاس چھپ کر راستہ دیکھوں گی۔" فسطینہ یہ کہہ کر بھاگتی ہوئی پل کے قریب جا پہنچی۔

دمشق کی سمت سے سواروں کی ایک ٹولی اور اُس کے بعد پیدل انسانوں کا ایک چھوٹا سا قافلہ گزر گیا لیکن فسطینہ کی طرف کسی نے توجہ نہ دی۔ وہ پل کے قریب ایک درخت کی آڑ میں کھڑی دوسری طرف دیکھ رہی تھی۔ اچانک اُسے ایک گھوڑے کی ٹاپ سنائی دی۔ پھر سڑک کے موڑ سے ایک سوار نمودار ہوا اور اُس کی تمام حسیات سمٹ کر آنکھوں میں آ گئیں۔ یہ عاصم تھا۔ اُس نے پل کے قریب پہنچ کر گھوڑا روکا اور پھر قدرے توقف کے بعد سڑک کے دائیں جانب، نشیب کی طرف باگ موڑ لی۔ فسطینہ اُس کی طرف بھاگنا چاہتی تھی لیکن اُس کے پاؤں لڑکھڑا رہے تھے۔ اُس نے آہستہ آہستہ چند قدم اٹھائے پھر آدھا پل عبور کرنے کے بعد وہ ایک ہرنی کی طرح بھاگ رہی تھی۔ عاصم پانی کے قریب پہنچ کر گھوڑے سے اتر پڑا اور ایک پتھر پر بیٹھ گیا۔ چلوؤں سے پانی کے چند گھونٹ پینے کے بعد وہ اپنے منہ پر چھینٹے مار رہا تھا کہ پیچھے کوئی آہٹ محسوس ہوئی۔ اُس نے مُڑ کر دیکھا اور اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ فسطینہ ہچکچائی رکی اور پھر اچانک آگے بڑھ کر اُس کے قریب کھڑی ہو گئی۔ وہ مسکرا رہی تھی، اُس کا دل مسرت سے اچھل رہا تھا اور اس کے ساتھ ہی اُس کی نگاہوں کے سامنے آنسوؤں کے پردے حائل ہو رہے تھے۔ "مجھے یقین تھا کہ آپ ضرور آئیں گے۔ میں اُن درختوں کے پیچھے چھپ کر آپ کا راستہ دیکھ رہی تھی۔ مجھے ڈر تھا کہ آپ ہمیں دیکھے بغیر آگے نہ گزر جائیں۔ آپ نے بہت دیر لگائی۔ آپ زخمی تو نہیں ہیں؟" فسطینہ نے یہ کہہ کر اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا لیا اور سسکیاں لینے لگی۔

عاصم نے کہا "فسطینہ اب تمہیں کوئی خطرہ نہیں۔ تمہاری والدہ کہاں ہیں؟"

"وہ پل کے دوسری طرف بیٹھی ہوئی ہیں۔"

"تم رو رہی ہو، دیکھو میں زندہ ہوں، اور مجھے کوئی زخم بھی نہیں آیا۔"

فسطینہ نے اپنے ہاتھ نیچے کر لئے اور پھر عاصم کی طرف دیکھ کر اچانک سوال کیا۔

"آپ کا نام کیا ہے؟"

"میرا نام عاصم ہے"۔ عاصم نے قدرے حیران ہو کر جواب دیا۔

"آپ ان سے لڑے تھے؟"

"ہاں"

"اگر آپ نہ آتے تو ہمیں یہ بھی معلوم نہ ہوتا کہ ہمارے محسن کا نام کیا تھا۔ آپ ان سب کو قتل کر آئے ہیں؟"

"نہیں میں نے صرف دو آدمیوں کو قتل کیا ہے۔ دو کو باندھ کر اُس ٹیلے پر چھوڑ آیا ہوں اور ایک کو پکڑ کر ساتھ لے آیا تھا"

"وہ کہاں ہے؟"

"میں نے اُسے یہاں سے دو میل دُور چھوڑ دیا ہے۔ اب اُس سے کوئی خطرہ نہ تھا۔ اب اگر میں آپ کے ساتھ نہ جاؤں تو بھی آپ دمشق پہنچ سکتی ہیں"

فسطینہ نے اچانک سنجیدہ ہو کر پوچھا "آپ ہمارے ساتھ نہیں جانا چاہتے؟"

عاصم نے جواب دیا "میرا خیال ہے کہ اب آپ کو میری ضرورت نہیں؟"

"آپ کا خیال غلط ہے۔ آئیے امی آپ کا انتظار کر رہی ہیں" فسطینہ یہ کہہ کر مسکراتی ہوئی پل کی طرف چل پڑی اور عاصم اپنے گھوڑے کی باگ تھامے اُس کے پیچھے ہو لیا۔

باب ۱۶

ایرانیوں کی فتح کے بعد انطاکیہ کے رومی گورنر کا محل شہنشاہ ایران کی قیام گاہ بن چکا تھا۔ ایک دن پرویز محل کے ایک کشادہ کمرے میں رونق افروز تھا اور اُس کے چند مصاحب مسند سے نیچے، دائیں بائیں، دو قطاروں میں کھڑے تھے نقیب کی آواز سُن کر مختلف محاذوں سے آنے والے ایلچی باری باری کمرے میں داخل ہوتے، اپنی معروضات پیش کرتے اور شہنشاہ سے ہدایات لینے کے بعد رخصت ہو جاتے۔ آج سب سے پہلے حاضری دینے والے ایلچی نے دمشق کے محاصرے کی خبر سنائی تھی، اس لئے پرویز کے نزدیک دوسرے محاذوں سے آنے والے ایلچیوں کی کوئی اہمیت نہ تھی چنانچہ وہ کسی کو مختصر ہدایات اور کسی کو اگلے دن پیش ہونے کا حکم دے کر رخصت کر رہا تھا۔ سب سے آخر میں نقیب نے سین کا نام پکارا اور شہنشاہ کے مصاحب حیران ہو کر دروازے کی طرف دیکھنے لگے۔ پرویز نے محل کے داروغہ کی طرف دیکھا اور کہا "ہمارا خیال ہے کہ آج جن لوگوں کو ملاقات کی اجازت دی گئی تھی، اُن کی فہرست میں سین کا نام نہیں تھا۔ اور ہم جس سین کو جانتے ہیں وہ قسطنطنیہ میں تھا"

داروغہ نے ادب سے سر جھکاتے ہوئے کہا "عالیجاہ! یہ وہی ہیں اور حضور کے غلام نے انہیں انتظار کرنے کا مشورہ دیا تھا لیکن وہ اسی وقت حضور کی قدم بوسی کے لئے حاضر ہونے پر مصر تھے ——— وہ کوئی اہم خبر لے کر آئے ہیں"

ایک قوی ہیکل آدمی جس کی چال میں غایت درجہ کی خود اعتمادی تھی کمرے میں داخل ہوا۔ وہ جُھک جُھک کر سلام کرتا ہوا آگے بڑھا اور مسند کے قریب پہنچ کر سر بسجود ہو گیا۔

چند ثانیے کمرے کے اندر خاموشی طاری رہی۔ بالآخر پرویز نے کہا "تم رومیوں کی قید میں تھے؟"

"جی، عالیجاہ!" اس نے اُٹھ کر ادب سے سر جھکاتے ہوئے جواب دیا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ تم نے انطاکیہ پہنچ کر اپنا لباس تبدیل کرنے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی۔"

"عالیجاہ! یہ غلام کسی تاخیر کے بغیر قدم بوسی کو حاضر ہونا چاہتا تھا۔"

"تم مہمان خانے میں آرام کرو! ہم بدولت فرصت کے وقت تمہاری سرگزشت سنیں گے۔"

سین کو اپنے کانوں پر یقین نہ آیا۔ اُس نے اپنے بچپن کے ساتھی اور دوست کی طرف دیکھا اور کہا "عالیجاہ میں ایک نہایت اہم خبر لے کر آیا ہوں۔"

پرویز نے سوال کیا "کیا دمشق فتح ہو چکا ہے؟"

"عالیجاہ! میں قسطنطنیہ کے قید خانے سے چھوٹ کر سیدھا یہاں پہنچا ہوں۔ اس لئے مجھے دمشق کے حالات کا علم نہیں ہو سکتا۔"

"تو پھر ہمارے لئے تمہاری کوئی اہم خبر نہیں ہو سکتی۔ بہرحال ہم خوش ہیں کہ تم واپس آ گئے ہو۔ ہمیں تمہارا وہاں جانا پسند نہ تھا لیکن تم ایران کی تلواروں کی بہ نسبت اپنی زبان کو زیادہ موثر سمجھتے تھے۔ اب تمہیں یہ اطمینان ہو گیا ہو گا کہ رومی صرف تلوار کی زبان سمجھتے ہیں۔"

سین نے کہا "عالیجاہ! میں ایک خوشخبری لے کر آیا ہوں۔"

"قسطنطنیہ سے ہم صرف ایک خبر سن کر خوش ہو سکتے ہیں اور وہ یہ کہ رومیوں نے ہماری فوج کے لئے شہر کے دروازے کھول دیئے ہیں۔"

"عالیجاہ قسطنطنیہ میں انقلاب آ چکا ہے۔ فوکاس باغیوں کے ہاتھوں قتل ہو چکا ہے اور رومیوں نے افریقی ممالک کے گورنر کے بیٹے ہرقل کو تخت پر بٹھا دیا ہے۔ فوکاس کے جو ساتھی شہنشاہ موریس کے قتل کے ذمہ دار تھے گرفتار کر لئے گئے ہیں۔ ہرقل نے حکومت پر قبضہ کرتے ہی میری رہائی کا حکم صادر کر دیا تھا لیکن انقلاب سے قبل مجھے قسطنطنیہ کے قید خانے سے جزیرۂ قبرص میں منتقل کر دیا گیا تھا اور ہرقل کی یہ خواہش تھی کہ میں انطاکیہ کا رُخ کرنے سے پہلے اُس سے ملاقات کروں۔ چنانچہ مجھے دوبارہ قسطنطنیہ جانا پڑا۔ اب حضور کا یہ ناچیز غلام ہرقل

طرف سے امن اور دوستی کا پیغام لے کر حضور کی قدم بوسی کے لئے حاضر ہوا ہے۔"

پرویز نے اطمینان سے جواب دیا "قسطنطنیہ کے انقلاب کی خبر اب بہت پرانی ہو چکی ہے۔ ہمیں صرف اس بات کا افسوس ہے کہ جنگ میں تاخیر کے باعث ہم قسطنطنیہ پر قبضہ کرنے کا بہترین موقع کھو چکے ہیں۔ اب حملہ کرنے کے لئے ہمیں زیادہ تیاری کی ضرورت ہے۔"

سین نے کہا "لیکن ہمارا دشمن مارا جا چکا ہے اور روم کا نیا حکمران، لڑائی کے بغیر، ہمارے جائز مطالبات ماننے کو تیار ہے۔"

پرویز نے کہا "اگر یہ بات ہے تو ہمارا پہلا مطالبہ یہ ہے کہ ہمارے لشکر کے لئے قسطنطنیہ کے دروازے کھول دیئے جائیں۔"

سین نے کہا "عالیجاہ! قسطنطنیہ روم کا دارالسلطنت ہے اور اُس کی حفاظت کے لئے لاکھوں انسان جان کی بازی لگا دیں گے۔"

پرویز نے تلخ ہو کر کہا "تم ہم سے یہ کہنے آئے ہو کہ ہم قسطنطنیہ فتح نہیں کر سکیں گے؟"

"نہیں عالیجاہ! میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جن حالات نے حضور کو روم سے جنگ کرنے پر مجبور کیا تھا، وہ بدل چکے ہیں اور ہرقل، فوکاس کی غلطیوں کی "تلافی" کرنے پر آمادہ ہے۔"

پرویز نے کہا "سین! ہمارے ایک بہادر اور وفادار سپاہی کو یہ بار بار ثابت کرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیئے کہ اُس کی بیوی نے اُسے رومیوں کا طرفدار بنا دیا ہے۔ تم ہمارے ایلچی کی حیثیت سے قسطنطنیہ گئے تھے اور انہوں نے تمہیں قید خانے میں ڈال دیا تھا۔ لیکن اب تم اُس فوج کو راستہ دکھاؤ گے جو تمہارے لئے قیصر کے محل کا دروازہ کھول سکتی ہے۔ ہم تمہیں قسطنطنیہ کی طرف پیش قدمی کرنے والی فوج کے ہراول کی کمان سونپنا چاہتے ہیں لیکن تمہارا چہرہ بتا رہا ہے کہ تم تھکے ہوئے ہو۔ اس لئے ہم تمہیں آرام کرنے کی اجازت دیتے ہیں۔ اس کے بعد تمہیں ضروری ہدایات مل جائیں گی۔ مہمان خانے کا داروغہ اس بات کا خیال رکھے گا کہ یہاں تمہارے قیام کے لمحات تمہاری توقع سے زیادہ خوشگوار ہوں۔ اور اگر وہ تمہاری تفریح کے سامان مہیا نہ کر سکے تو تم شہر کے کسی مکان کا دروازہ اپنے لئے بند نہیں پاؤ گے۔"

سین نے کہا۔ "عالیجاہ! مجھے اپنی تھکاوٹ کا احساس نہیں، ایک غلام کے لئے اپنے آقا کے حکم کی تعمیل سب سے بڑا آرام ہے لیکن میری بیوی اور بیٹی دمشق میں ہیں اور مجھے معلوم نہیں کہ وہ کس حال میں ہیں۔ اگر اجازت ہو تو میں محاذِ جنگ کا رُخ کرنے سے پہلے اُن کا حال معلوم کرنا چاہتا ہوں۔"

پرویز نے قدرے نرم ہو کر کہا۔ "یہ بات ہمیں معلوم نہ تھی، ہمارا خیال تھا کہ تم انہیں ساتھ لے گئے تھے اب تم دمشق پہنچ کر ہمارا انتظار کرو۔ ہم بہت جلد وہاں پہنچ جائیں گے۔ ہمیں یقین ہے کہ دمشق تمہارے وہاں پہنچنے سے پہلے فتح ہو چکا ہو گا اور ہم تمہیں ایشیائے کوچک کے محاذ پر بھیجنے کی بجائے کوئی اور اہم ذمہ داری سونپ سکیں گے۔"

سین نے احسان مندی سے سر جھکاتے ہوئے کہا۔ "عالیجاہ! آپ اس غلام کو اعتماد کے قابل پائیں گے۔"

پرویز نے کہا۔ "اگر کسی وجہ سے دمشق کا محاصرہ طویل ہو جائے تو تمہیں سپہ سالار کی مدد کرنی چاہیئے۔ لیکن یہ یاد رکھو کہ ہم آئندہ تمہارے مُنہ سے نصرانیوں کی حمایت میں ایک لفظ سننا بھی پسند نہیں کریں گے۔" شہنشاہ ایران یہ کہہ کر اٹھا اور آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا عقب کے کمرے میں چلا گیا۔ حاضرین چند ثانیے خاموشی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے اور پھر آگے بڑھ بڑھ کر سین کو مبارکباد دینے لگے۔

ایک مجوسی پیشوا نے اُس کے کان میں کہا۔ "آپ بہت خوش قسمت ہیں اگر آپ کی جگہ کوئی اور اس طرح کی باتیں کرتا تو شاید اُس کی کھال اُتار دی جاتی۔"

سین نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ خوش ہونے کی بجائے یہ محسوس کر رہا تھا کہ اُسے مبارکباد دینے والے اُس کا مذاق اُڑا رہے ہیں۔

ایک ساعت بعد سین بیس سواروں کے ہمراہ دمشق کا رُخ کر رہا تھا۔ وہ اُن لوگوں میں سے تھا جو بدترین حالات میں بھی مسکرانے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن آج اُس کا چہرہ اُترا ہوا تھا۔ اپنی بیوی اور اکلوتی بیٹی سے زیادہ اُسے پرویز کے طرزِ عمل کے متعلق پریشانی تھی۔ انطاکیہ میں داخل ہونے سے قبل وہ یہ سوچتا تھا کہ شہنشاہ اُسے دیکھتے ہی خوشی سے اچھل پڑے گا۔ اور نئے قیصر کی طرف سے صلح کے پیغام کو آرمینیا اور شام کی فتوحات سے زیادہ اہمیت دی جائے گی ـــــ پرویز اُس کے لئے صرف ایک شہنشاہ نہ تھا بلکہ بچپن کا ساتھی اور جوانی کا دوست بھی تھا۔ جب محل کے محافظوں نے اُس کا راستہ روک کر اُسے یہ سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ جہاں پناہ آج

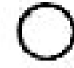
آپ سے ملاقات نہیں کر سکیں گے تو اُس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا تھا۔ اگر داروغہ بروقت مداخلت نہ کرتا تو وہ محافظ دستے کے ایک گستاخ افسر کے مُنہ پر تھپڑ مارنے سے بھی دریغ نہ کرتا۔ پھر جب شاہی نقیب ملاقات کرنے والوں کے نام پکار رہا تھا تو اُس کا غم و غصہ جنون کی حد تک پہنچ گیا تھا۔ وہ معمولی افسر جو مختلف محاذوں سے پیغامات لائے تھے باری باری دربار میں حاضری دے کر باہر نکل رہے تھے اور وہ بے بسی کی حالت میں باہر ٹہل رہا تھا کبھی وہ یہ سوچتا تھا کہ شاید داروغہ نے شہنشاہ کو اُس کی آمد کی اطلاع نہ دی ہو۔ کبھی اُسے یہ خیال پریشان کرنے لگتا کہ شاید دربار میں اُس کے رقیبوں اور حاسدوں کا پلّہ بھاری ہو چکا ہے۔ پھر جب سب سے آخر میں نقیب نے اُسے آواز دی تو اُس کے سارے گلے جاتے رہے۔ لیکن اِس ملاقات کے بعد اُسے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ دنیا بدل چکی ہے انطاکیہ کا فاتح اُس شخص سے مختلف تھا، جسے وہ بچپن سے جانتا تھا اور جس کے لئے اُس نے بارہا اپنی جان کی بازی لگائی تھی۔ شہنشاہ کی سرد مہری سے زیادہ اُسے اِس بات کی شکایت تھی کہ دربار میں بعض ایسے لوگوں نے بھی اُس کی بے بسی کا تماشا دیکھا تھا، جنہیں اُس کے ساتھ آنکھ ملا کر بات کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔

انطاکیہ سے روانہ ہونے کے بعد سین خاصی دیر تک اپنے دل پر ایک ناقابلِ برداشت بوجھ محسوس کرتا رہا لیکن اچانک اُس کے دل میں ایک اور خیال آیا اور اُسے مستقبل کے افق پر اُمید کی ایک نئی روشنی دکھائی دینے لگی۔ وہ سوچ رہا تھا ـــــ کیا شہنشاہ نے مجھے قسطنطنیہ کی طرف پیش قدمی کرنے والی فوج کے ہراول کی کمان پیش نہیں کی۔ کیا میرے رقیب اور حاسد اب کسی سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ میں اپنے آقا کی نگاہوں سے گر چکا ہوں۔ شہنشاہ کو یہ غلط فہمی ہو گئی تھی کہ میں رومیوں کی طرف داری کر رہا ہوں اور اب شاید مجھے لڑائی سے خوف آتا ہے لیکن کیا اب یہ ثابت کر دکھانا میرے اختیار میں نہیں کہ ایران کا کوئی سپوت تلوار کے کھیل مجھ سے بہتر نہیں جانتا میں ایک سپاہی ہوں اور ایک سپاہی کا مقام مجھ سے کوئی نہیں چھین سکتا۔"

اب اُس کے ذہن میں قسطنطنیہ کی جنگ کے مختلف نقشے تیار ہو رہے تھے لیکن پھر اُسے اپنی بیوی اور بیٹی کا خیال آیا اور اُسے ایک تلخی سی محسوس ہونے لگی ـــــ وہ اپنے دل سے پوچھ رہا تھا۔ کیا ایران اور روم کی جنگ ضروری ہے۔ کیا فوکاس کی موت کے بعد پُرانے حالات بدل نہیں گئے۔ کیا رومیوں کے خلاف تلوار اٹھاتے وقت مجھے یہ خیال پریشان نہیں کرے گا کہ میں اپنی بیوی کے ساتھ بدعہدی کر رہا ہوں۔ جب میں اُسے یہ بتاؤں گا

کہ مجھے قسطنطنیہ پر چڑھائی کرنے والی فوج کی رہنمائی سونپی گئی ہے تو وہ کیا خیال کرے گی —— میں نے ہرشہ اُسے یہ اُمید دلائی تھی کہ اب روم اور ایران کی دشمنی ختم ہو چکی ہے۔ یہاں تک کہ فوکاس کے ہاتھوں موریس کے قتل کی خبر سننے کے بعد میں نے اُسے یہی تسلی دی تھی کہ میں روم اور ایران کے تعلقات خراب نہیں ہونے دوں گا لیکن اب میں کیا کر سکتا ہوں ؟"

سین کے پاس اِس سوال کا کوئی جواب نہ تھا۔ پرویز سے ملاقات کے بعد اُسے یہ یقین ہو چکا تھا کہ جنگ کو روکنا اب اُس کے بس کی بات نہیں رہی —— اور اپنے متعلق اُس کا آخری فیصلہ یہی تھا کہ میں صرف ایک سپاہی ہوں۔



باقی راستے کسی پریشانی کا سامنا کئے بغیر عاصم اور اُس کے ساتھیوں نے ایک رات دمشق سے دس کوس کے فاصلے پر ایک چھوٹی سی بستی میں قیام کیا۔ راستے کی دوسری بستیوں کی طرح اِس بستی میں بھی صرف نادار کسان اور چرواہے رہ گئے تھے۔ خوش حال لوگ اپنے گھر بار چھوڑ کر فرار ہو چکے تھے۔ ایک بوڑھے کسان نے اپنے جھونپڑے سے باہر نکل کر ان مسافروں کا خیر مقدم کیا اور جب عاصم نے اُس سے سرائے کے متعلق پوچھا تو اُس نے کہا "جناب! یہاں کوئی سرائے نہیں لیکن گاؤں کے سب سے بڑے رئیس کا مکان خالی پڑا ہے۔ ایک بوڑھے نوکر کے سوا وہاں کوئی نہیں۔ اگر آپ اس مکان میں ٹھہرنا پسند کریں تو اُسے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔"

عاصم نے کہا "ہم دمشق پہنچنا چاہتے تھے لیکن ہمارے گھوڑے تھک چکے ہیں اور ان خواتین کو بھی آرام کی ضرورت ہے —— آج رات ہم تمہارے مہمان ہیں اور یہ فیصلہ کرنا تمہارا کام ہے کہ ہمیں کہاں ٹھہرنا چاہیئے۔"

کسان نے جواب دیا "جناب! اگر آپ کے آرام کا خیال نہ ہوتا تو میں آپ کو اپنے جھونپڑے میں ٹھہرانے پر اصرار کرتا لیکن میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ آپ کے لئے بستی کے رئیس کا مکان زیادہ موزوں ہوگا۔ مگر یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ آپ دمشق کیوں جا رہے ہیں ؟ آپ وہاں کے حالات سے بے خبر نہیں ہو سکتے۔"

عاصم نے جواب دیا "ہم وہاں کے حالات سے بے خبر نہیں ہیں لیکن ہمارے لئے وہاں پہنچنا ضروری ہے۔

اِس وقت ہمارا سب سے بڑا مسئلہ رات گزارنے کے لئے کوئی جائے پناہ تلاش کرنا ہے۔"

"آئیے، میں آپ کے ساتھ چلتا ہوں۔" کسان نے یہ کہہ کر عاصم کے گھوڑے کی باگ پکڑلی۔

تھوڑی دیر بعد وہ ایک کشادہ حویلی کے دروازے کے سامنے گھوڑوں سے اُترے۔ کسان نے مکان کے محافظ کو آوازیں دیں۔ ایک بوڑھا آدمی دروازہ کھول کر باہر نکلا اور بدحواس ہو کر عاصم اور اُس کے ساتھیوں کی طرف دیکھنے لگا۔

کسان نے کہا "یہ بستی میں سرائے تلاش کر رہے تھے اور میں انہیں یہاں لے آیا ہوں۔"

نوکر نے عاصم کی طرف دیکھا اور کہا "میرا مالک یہاں نہیں ہے لیکن اگر آپ یہاں ٹھہرنا پسند کریں تو مجھے بہت خوشی ہوگی۔ یہ سارا مکان خالی پڑا ہے۔ آئیے!"

عاصم نے کہا "تمہیں ہمارے گھوڑوں کے لئے چارے کا بندوبست کرنا پڑے گا یہ بہت بھوکے ہیں۔"

نوکر نے کہا "جناب! آپ فکر نہ کریں۔"

وہ چار دیواری کے اندر داخل ہوئے اور نوکر نے کسان سے کہا "تم ان کے گھوڑے اصطبل میں لے جاؤ۔ میں ان کے لئے کھانا تیار کرتا ہوں۔"

عاصم نے کہا "ہمارے کھانے کے لئے تمہیں کسی تکلف کی ضرورت نہیں۔ ان حالات میں ہمارے لئے سوکھی روٹی بھی ایک نعمت ہوگی۔"

نوکر نے جواب دیا "جناب! میرے آقا نے یہاں سے روانہ ہوتے وقت یہ حکم دیا تھا کہ ہماری بھیڑیں ایرانیوں کے کام نہیں آنی چاہییں، اس لئے میں ہر روز ایک بھیڑ کاٹ کر پڑوسیوں کو تقسیم کیا کرتا ہوں۔ آج میں نے جو بھیڑ ذبح کیا تھا اُس کا خاصا گوشت گھر میں پڑا ہوا ہے۔"

عاصم نے کہا "لیکن تمہیں سب سے پہلے ہمارے گھوڑوں کے لئے چارے کا بندوبست کرنا چاہیئے وہ بہت بھوکے ہیں۔"

نوکر نے کہا "جناب! اگر آپ پچاس گھوڑے لے کر آتے تو بھی ہمارے گھاس کے ذخیرے میں کمی نہ آتی۔"

عاصم نے یوسیبیا اور فسطینہ کی طرف متوجہ ہو کر کہا "آپ اندر تشریف لے جائیے میں گھوڑے بندھوا کر آتا ہوں۔"

تھوڑی دیر بعد یوسیبیا اور فسطینہ ایک کشادہ کمرے میں بیٹھی سرگوشیاں کر رہی تھیں۔ عاصم خورجین اٹھائے اندر داخل ہوا اور اُس نے ایک کرسی پر بیٹھ کر اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "مجھے اُمید نہ تھی کہ اس بستی میں ہمیں اتنی آرام دہ جگہ مل جائے گی۔ یہ نوکر کوئی نیک آدمی معلوم ہوتا ہے۔"

یوسیبیا نے کہا۔ "آپ کو یقین ہے کہ یہاں ہمیں کوئی خطرہ نہیں۔"

عاصم نے اطمینان سے جواب دیا۔ "مجھے یقین ہے کہ اب اگر آپ یہ اعلان کر دیں کہ آپ ایرانی ہیں تو بھی آپ کو کوئی خطرہ نہیں، اس بستی میں صرف وہ نادار لوگ رہ گئے ہیں جو اپنے لئے رومیوں یا ایرانیوں کی غلامی میں کوئی فرق محسوس نہیں کرتے۔ وہ آدمی جو ہمیں یہاں لے کر آیا تھا، یہ کہہ رہا تھا کہ ہم بھیڑوں کا گلہ ہیں، اور بھیڑوں کے لئے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ اُن کی اون اور ان کا گوشت رومیوں کے کام آتا ہے یا ایرانیوں کے۔"

یوسیبیا نے کہا۔ "اب اس بات کا تو ڈر نہیں رہا کہ کوئی ہمارا پیچھا کر رہا ہے لیکن مجھے معلوم نہیں کہ دمشق پہنچ کر ہم کن حالات کا سامنا کریں گے۔"

عاصم نے جواب دیا۔ "دمشق میں ایرانی لشکر کا کوئی عہدہ دار آپ کے شوہر کے نام سے ناواقف نہ ہوگا۔ مجھے یقین ہے کہ وہاں آپ کے والد کی حیثیت عام رومیوں سے مختلف ہوگی۔ پھر یہ بھی ممکن ہے کہ نئے قیصر نے آپ کے شوہر کو رہا کر دیا ہو اور وہ دمشق پہنچ چکے ہوں۔"

فسطینہ بولی۔ "اگر میرے ابا جان قید سے رہا ہو چکے ہوتے تو وہ دمشق میں ہمارا انتظار کرنے کی بجائے فوج لے کر یروشلم پہنچنے کی کوشش کرتے۔"

یوسیبیا نے غور سے عاصم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "بیٹا! تمہارے والدین زندہ ہیں؟"

"نہیں۔" اُس نے جواب دیا۔

وہ قدرے توقف کے بعد بولی۔ "مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میں تمہیں ایک مدت سے جانتی ہوں اور تمہیں بیٹا کہتے ہوئے مجھے ایک طرح کی خوشی اور تسکین محسوس ہوتی ہے۔ لیکن ابھی تک مجھے یہ پوچھنے کا موقع نہیں ملا کہ تم کن حالات میں اپنے گھر سے نکلے ہو۔ تمہاری صورت ان انسانوں سے مختلف ہے جو کسی کے ساتھ بُرائی یا زیادتی کر سکتے ہیں — میں تمہیں بیٹا کہہ چکی ہوں اور ایک ماں کی سب سے بڑی خواہش یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے

بچوں کے دکھ درد میں شریک ہو، بُرا نہ مانو تو میں تمہاری سرگزشت سننا چاہتی ہوں۔ اگر میں تمہاری کوئی مدد نہ کر سکی تو کم از کم تمہیں تسلی ضرور دے سکوں گی۔

عاصم نے جواب دیا۔ "میں آپ کا شکرگزار ہوں لیکن میری سرگزشت سن کر آپ کو ایک ذہنی کوفت کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔ ممکن ہے آپ بھی مجھے ایک دیوانہ سمجھنے لگیں۔"

"نہیں، بیٹا! تم سناؤ۔"

یوسیبیا کے اصرار پر عاصم نے ماضی کے وہ واقعات بیان کر دیئے، جن کے باعث اُس کے لئے یثرب کی زمین تنگ ہو چکی تھی۔

فسطینہ کی موجودگی کا احساس کرتے ہوئے اُس نے سمیرا سے اپنی محبت کی داستان کی تفصیلات میں جانے کی کوشش نہ کی لیکن اپنی گفتگو کے دوران میں جب کبھی وہ فسطینہ کی طرف دیکھتا تو اُسے ایسا محسوس ہوتا کہ اُس کی ذہین نگاہیں، اُس کے احساس کی گہرائیوں میں جھانک رہی ہیں۔

جب وہ عدی کے گھر کا آخری منظر بیان کرنے کے بعد خاموش ہو گیا تو فسطینہ کی آنکھوں سے آنسو چھلک رہے تھے اور وہ اپنی ماں سے یہ کہہ رہی تھی۔ "امی! مجھے اب بھی سمیرا کی موت کا یقین نہیں آتا۔ میں سوچ رہی تھی کہ جب یہ اپنے وطن سے روانہ ہونگے تو وہ ان کے ساتھ ہوگی۔ اور پھر اُس کی علالت یا کسی اور مجبوری کے باعث یہ اُسے راستے کی کسی بستی یا شہر میں چھوڑ آئے ہوں گے۔ مجھے یہ بات بھی بعید از قیاس معلوم نہیں ہوتی تھی کہ ان کے دشمنوں نے پیچھا کیا ہوگا اور وہ سمیرا کو چھین کر واپس لے گئے ہوں گے۔ امی! اگر کوئی ایسی بات ہوتی تو میں ہر روز یہ دعا کیا کرتی کہ وہ انہیں مل جائے۔ میں اپنے ابا جان سے التجا کرتی کہ وہ ان کی مدد کریں۔ میں کسریٰ کے پاس جا کر یہ فریاد کرتی کہ میں سین کی بیٹی ہوں اور یہ ہمارے محسن ہیں، اس لئے ان کی اعانت آپ پر فرض ہے۔ امی جان اُسے مرنا نہیں چاہیے تھا۔ کاش یہ تھوڑی دیر پہلے اُن کے گھر پہنچ جاتے۔" فسطینہ کی آنکھوں سے آنسو بہ رہے تھے اور اُس کی آواز سسکیوں میں تبدیل ہو چکی تھی۔

یوسیبیا نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "بیٹی! موت کے سامنے کسی کا زور نہیں چلتا۔ اب تم ان کے لئے یہ دعا کیا کرو کہ خدا انہیں صبر اور ہمت دے۔"

تھوڑی دیر بعد نوکر کھانا لے کر آگیا اور وہ دسترخوان پر بیٹھ گئے۔ عاصم کھانے سے فارغ ہوتے ہی دوسرے کمرے میں چلا گیا اور یوسیبیا اور فسطینہ اُسی کمرے میں سو گئیں۔

پچھلے پہر یوسیبیا نے فسطینہ کو جھنجوڑ کر گہری نیند سے بیدار کیا اور کہا "بیٹی! اب صبح ہو رہی ہے، سفر کی تیاری کرو۔" فسطینہ نے آنکھیں ملتے ہوئے کہا۔ "امی جان! ابھی بہت رات باقی ہے، انہوں نے کہا تھا کہ پچھلے پہر گھوڑے تیار کرکے ہمیں جگا دیں گے۔"

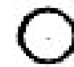
"بیٹی! میں نے ساتھ کے کمرے کا دروازہ کھلنے کی آہٹ سنی تھی۔ میرا خیال ہے کہ وہ اصطبل کی طرف گیا تھا۔"

"اچھا! اٹھتی ہوں۔" فسطینہ نے انگڑائی لے کر کروٹ بدلتے ہوئے کہا۔

ماں نے پوچھا۔ "بیٹی! تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟"

"ہاں، امی جان! میں بالکل ٹھیک ہوں لیکن ابھی میرا اٹھنے کو جی نہیں چاہتا۔"

صحن میں پاؤں کی آہٹ سنائی دی اور پھر کسی نے آہستہ سے دروازہ کھٹکھٹاتے ہوئے کہا۔ "فسطینہ!" یہ عاصم کی آواز تھی فسطینہ نے جلدی سے اُٹھ کر دروازہ کھولا تو وہ ایک رومی کی بجائے ایک عرب کے لباس میں اُس کے سامنے کھڑا تھا۔ اُس نے کہا۔ "اس سے آگے میں رومی لباس میں سفر کرنا خطرناک سمجھتا ہوں۔ وہ نوکر مجھے دیکھ کر ڈر گیا تھا۔ اُس نے یہ خیال کیا تھا کہ رومی فوج کا کوئی عرب دستہ یہاں پہنچ گیا ہے۔ میں نے بڑی مشکل سے اُسے تسلی دی ہے۔ گھوڑے تیار ہیں۔ آپ جلدی سے تیار ہو کر اصطبل میں آجائیں میں وہاں آپ کا انتظار کرتا ہوں۔"



چند میل اور سفر کرنے کے بعد انہیں دمشق کے حسین مناظر دکھائی دے رہے تھے۔ فسطینہ اب اُس لڑکی سے مختلف نظر آتی تھی جسے عاصم نے انتہائی بے بسی کی حالت میں دیکھا تھا۔ آلام و مصائب کے بادل چھٹ چکے تھے اور اُس کا سنجیدہ اور معصوم چہرہ، ایک کھلتے ہوئے پھول کی طرح شگفتہ تھا۔ لیکن یوسیبیا اب بھی مغموم اور پریشان دکھائی دیتی تھی۔ اب اُسے پیچھا کرنے والوں کی طرف سے کوئی خطرہ نہ تھا لیکن دمشق کے متعلق طرح طرح کے

خیالات اُسے پریشان کر رہے تھے اور وہ گردن جھکائے گھوڑے پر بیٹھی ہوئی تھی۔

فسطینہ نے اپنا گھوڑا اُس کے قریب کرتے ہوئے کہا۔ "امی جان! اب تو آپ کو پریشان نہیں ہونا چاہیئے۔ ہم تھوڑی دیر میں گھر پہنچ جائیں گے اور وہاں ایرانی لشکر کی موجودگی میں ہمیں کوئی خطرہ نہ ہوگا۔"

یوسیبیا نے جواب دیا۔ "بیٹی! میں تمہارے نانا کے متعلق سوچ رہی ہوں۔ خدا معلوم، وہ کس حال میں ہوں گے۔ فاتح لشکر جب کسی شہر میں داخل ہوتا ہے تو کسی پر رحم نہیں کرتا۔"

فسطینہ نے سنجیدہ ہو کر کہا۔ "امی جان! مجھے یقین ہے کہ ایران کے سپاہی ہمارے گھر کی حفاظت کر رہے ہوں گے وہ میرے باپ سے ناواقف نہیں ہو سکتے۔"

"بیٹی! مجھے ڈر ہے کہ ان حالات میں تمہارے نانا کسی کو یہ بتانا بھی گوارا نہیں کریں گے کہ میں سین کا خسر ہوں اگر ایرانیوں نے دمشق کے باشندوں پر مظالم کئے تو انہیں اپنی جان بچانے کی فکر نہیں ہوگی۔ اور میں تمہارے باپ کے متعلق بھی پریشان ہوں۔ قسطنطنیہ کے لوگ شام میں ایرانیوں کے مظالم کی داستانیں سننے کے بعد انہیں کسی نیک سلوک کا مستحق نہیں سمجھیں گے۔ اگر انہوں نے اُن پر کوئی اور سختی نہ کی تو بھی جنگ کے دوران میں اُن کا قید سے رہا ہونا ممکن نہیں۔"

فسطینہ کے چہرے پر اداسی کے بادل چھا گئے۔ کچھ دیر وہ خاموشی سے سر جھکائے اپنی ماں کے ساتھ چلتی رہی اور پھر گھوڑے کو ایڑ لگا کر عاصم سے جا ملی۔

عاصم نے پوچھا۔ "کیا بات ہے فسطینہ!"

فسطینہ قدرے توقف کے بعد بولی۔ "امی جان میرے نانا کے متعلق بہت پریشان ہیں۔ اور میں بھی یہ سوچ رہی ہوں کہ جب فاتح لشکر کے سپاہی کسی شہر میں داخل ہوتے ہیں تو وہ جوان اور بوڑھے میں تمیز نہیں کیا کرتے۔"

عاصم نے کہا۔ "تمہیں اس قدر پریشان نہیں ہونا چاہیئے۔ مجھے یقین ہے کہ تمہارے باپ کا نام تمہارے نانا کے لئے ایک ڈھال کا کام دے سکے گا۔"

"آپ میرے نانا کو نہیں جانتے وہ اپنی جان کے خوف سے روم کے دشمنوں کی پناہ لینا گوارا نہیں کریں گے اور میرے ابا وہاں یہ کہنے کے لئے موجود نہ ہوں گے کہ میں ایران کے شہنشاہ کا دوست ہوں اور یہ بوڑھا شخص میرا خسر ہے۔"

فسطینہ کے چہرے سے ایک الھڑ لڑکی کی شوخیاں رخصت ہو چکی تھیں اور وہ ایک بار پھر اپنی عمر سے بڑی دکھائی دے رہی تھی۔

عاصم نے کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا۔ "فسطینہ! ہمارا سفر ختم ہونے والا ہے۔ اس وقت میری سب سے بڑی خواہش یہ ہے کہ جب تم اپنے گھر کے اندر پاؤں رکھو تو میں دروازے کے باہر کھڑے ہو کر تمہارے قہقہے سنوں اور پھر تمہارے یہ معصوم قہقہے ہمیشہ کے لئے میرے کانوں میں گونجتے رہیں۔ دمشق سے کوسوں دور رہ کر بھی میرے لئے یہ تسکین بہت بڑا انعام ہو گی کہ تم اپنے گھر میں خوش ہو۔ کاش! تمہارے ابا جان بھی وہاں پہنچ چکے ہوں اور مجھے دمشق کو الوداع کہتے ہوئے یہ اطمینان ہو کہ تمہاری تمام مصیبتیں ختم ہو چکی ہیں۔"

فسطینہ نے کہا۔ "اگر میرے ابا جان وہاں موجود ہوئے تو مجھے یقین ہے کہ آپ کو دمشق سے کوسوں دور بھاگنے کی ضرورت پیش نہ آئے گی۔ آپ انہیں احسان فراموش نہ پائیں گے۔"

عاصم نے کچھ دیر سوچنے کے بعد جواب دیا۔ "فسطینہ! جب تم بڑی ہو جاؤ گی تو تمہارے لئے یہ سمجھنا مشکل نہ ہو گا کہ دمشق میں میرے لئے کوئی جگہ نہ تھی۔"

فسطینہ نے کہا۔ "ہمارا گھر مدائن میں ہے اور میں ابا جان سے کہوں گی کہ وہ آپ کو فوج میں کوئی بڑا عہدہ دے کر وہاں بھیج دیں۔"

"نہیں! میرے لئے دمشق اور مدائن میں کوئی فرق نہ ہو گا۔"

"تو آپ کہاں جائیں گے؟"

"مجھے معلوم نہیں۔ جب میں اپنے ملک سے نکلا تھا تو میرا یہ خیال تھا کہ مجھے فارس یا شام کے کسی اور تاجر کے ہاں نوکری مل جائے گی۔ میں کسی کی بھیڑیں چرانے کے لئے بھی تیار تھا۔ لیکن اب میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ زندگی کی تلخیاں یہاں بھی میرا پیچھا کر رہی ہیں۔ میں کوئی ایسی جگہ تلاش کروں گا جہاں ایک انسان دوسرے انسان کے خون کا پیاسا نہ ہو۔"

فسطینہ نے مسکرا کر کہا۔ "اگر آپ بھیڑیں چرا کر خوش رہ سکتے ہیں تو میں ابا جان سے کہوں گی کہ وہ شام کی تمام بھیڑ بکریاں اکٹھی کر کے آپ کے حوالے کر دیں۔ وہ آپ کو کوئی بہترین چراگاہ بھی دلا سکیں گے۔ لیکن فرض کیجئے، اگر وہ بھی

...بید سے رہا ہو کر وہاں نہ پہنچے ہوں اور خدانخواستہ میرے نانا پر کوئی مصیبت آ گئی ہو اور جب ہم گھر میں پاؤں ...یں تو آپ کو قہقہوں کی بجائے ہماری چیخیں سنائی دیں تو آپ ہمیں اپنے حال پر چھوڑ کر بھاگ جائیں گے؟"

عاصم نے جواب دیا۔ "تمہیں معلوم ہے کہ میں ایسے حالات میں تمہارا ساتھ نہ چھوڑ سکوں گا۔"

فسطینہ نے آبدیدہ ہو کر کہا۔ "آپ بہت رحم دل ہیں۔ لیکن وہاں آپ ہماری کوئی مدد نہ کر سکیں گے اور ...کبھی یہ گوارا نہ کروں گی کہ آپ ہمارے لئے کوئی اور خطرہ مول لیں — جب آپ اُس پہاڑی پر تنہا رہ گئے ...ے اور پانچ آدمی آپ پر حملہ کرنے والے تھے تو میں اپنے آپ کو ملامت کر رہی تھی اور جب تک آپ واپس نہ ...ئے تھے، میں ہر سانس میں آپ کی سلامتی کی دعائیں کر رہی تھی۔ اب اگر دمشق کے حالات سازگار نہ ہوئے تو میں ...آپ سے درخواست کروں گی کہ آپ اپنی جان بچانے کی فکر کریں — لیکن میں یہ کبھی نہ سمجھ سکوں گی کہ ایک عرب جس سے ہمارا کوئی رشتہ نہ تھا، ہم پر اتنا مہربان کیوں تھا۔"

عاصم نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "میں چند دن پہلے اپنے عرب ہونے پر فخر کر سکتا تھا لیکن اب میرا ...ئی وطن نہیں۔"

فسطینہ کچھ دیر عاصم کے ساتھ چلتی رہی۔ پھر اُس نے مڑ کر چند قدم دُور اپنی ماں کی طرف دیکھا اور ...گھوڑا روک کر اُس کا انتظار کرنے لگی۔

کچھ دیر بعد یہ لوگ اپنے راستے کے دو رویہ سرسبز باغات میں سے گزرتے ہوئے دمشق کی ایک مضافاتی بستی میں داخل ہوئے جہاں جگہ جگہ انسانوں کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ آس پاس کے درخت گدھوں سے پٹے پڑے تھے اور بعض لاشیں جنہیں انہوں نے قابل توجہ سمجھا تھا صرف ہڈیوں کے ڈھانچے دکھائی دیتی تھیں۔ ایک مکان کے دروازے کے باہر دو لاشوں پر چند کتے اور گدھ زور آزمائی کر رہے تھے۔ عاصم نے مڑ کر اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا اور کہا۔ "اب آپ کو ذرا ہمت سے کام لینا پڑے گا۔"

فسطینہ چلائی۔ "خُدا کے لئے! یہاں سے نکلنے کی کوشش کیجئے۔ یہاں تعفّن سے میرا دم گھٹا جا رہا ہے۔"

عاصم نے اپنے گھوڑے کی رفتار تیز کر دی — لیکن بستی کے دوسری طرف کے حالات بھی اس سے مختلف نہ تھے بلکہ یہاں سڑک کے آس پاس لاشوں کی تعداد زیادہ تھی اور ہر لاش ایک نئی داستان بیان کر رہی

تھی۔ وہ قدم قدم پر دلخراش مناظر دیکھتے ہوئے شہر کے مشرقی دروازے کے قریب پہنچے۔ باہر مسلح سپاہیوں کا دستہ گشت کر رہے تھے۔ اور دروازے کے سامنے ایک درخت پر پانچ لاشیں لٹک رہی تھیں۔ سپاہیوں کے ایک گروہ نے کچھ فاصلے سے عاصم اور اُس کے ساتھیوں کی طرف دیکھا اور شور مچاتے ہوئے بھاگ کر اُن کے گرد جمع ہو گئے۔

ایک آدمی نے جو اس دستے کا افسر معلوم ہوتا تھا۔ عاصم سے مخاطب ہو کر فارسی میں کہا "تم نے یہ قیمتی شکار کہاں سے حاصل کیا ہے؟"

عاصم نے سر ہلاتے ہوئے عربی زبان میں جواب دیا "میں تمہاری زبان نہیں سمجھتا"

ایرانی افسر نے اپنے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہو کر کہا "میں پہلی بار ایک عرب کی قید میں رومی عورتوں کو اس قدر مطمئن دیکھ رہا ہوں۔ لیکن کیا تمہارے خیال میں یہ دو عورتیں ایک آدمی کی ضرورت سے زیادہ نہیں؟"

اُس کے ساتھی بھوکے درندوں کی طرح فسطینہ اور یوسیبیا کی طرف دیکھنے لگے۔

یوسیبیا نے غصے سے لال پیلی ہو کر کہا "بدتمیز! تم کیا بک رہے ہو۔ میں سین کی بیوی ہوں اور یہ میری بیٹی ہے"

ایرانی افسر یوسیبیا کے غصے سے زیادہ اُس کی فارسی زبان سے متاثر ہوا اور بدحواس ہو کر اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھنے لگا پھر اُس نے سنبھلنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "سین کون ہے؟"

یوسیبیا نے جواب دیا "تم یہ سوال ایران کے شہنشاہ سے کر سکتے ہو۔ اور اگر یہاں مدائن کا کوئی باشندہ ہے تو وہ سین سے ناواقف نہیں ہو سکتا"

ایک سپاہی نے افسر کے کان میں کچھ کہا اور اُس کے چہرے کا رنگ زرد پڑ گیا۔

اُس نے ملتجیانہ لہجے میں کہا "معزز خاتون! مجھ سے بھول ہوئی۔ میں آپ سے معافی چاہتا ہوں۔ اور آپ کے کسی ادنیٰ نوکر کے ساتھ بھی گستاخی نہیں کر سکتا ـــــ اگر اس عرب نے آپ کے ساتھ کوئی بدسلوکی کی ہے تو میں اس کی کھال اتروا دوں گا"

یوسیبیا نے جواب دیا "اس عرب نے ہماری جان اور عزت بچائی ہے"

ایرانی افسر نے کہا "معاف کیجئے! جس سین کو ہم جانتے ہیں وہ تو شاید قسطنطنیہ میں ہیں آپ کہاں سے آئی ہیں؟"

"ہمارے لئے تمہارے ہر سوال کا جواب دینا ضروری نہیں۔ اب بہتر یہی ہے کہ تم ہمارا راستہ چھوڑ دو"

"معاف کیجئے! اب آپ کی حفاظت میری ذمہ داری ہے۔ آپ کہاں جانا چاہتی ہیں؟"

"ہمارا مکان دروازے کے قریب ہے"

"اگر اجازت ہو تو میں وہاں تک آپ کے ساتھ جاؤں گا"

یوسیبیا نے فاتحانہ انداز سے عاصم اور فسطینہ کی طرف دیکھا اور اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔ ایرانی افسر اور اُس کے سپاہی اُن کے ساتھ بھاگ رہے تھے۔ کوئی پچاس قدم کے فاصلے پر دروازے سے گزرتے ہی انہیں چند ایسے آدمی دکھائی دیئے جن کے لباس ایرانیوں کی بجائے عربوں سے ملتے تھے۔ یہ لوگ تین چیختی چلاتی عورتوں کے بال پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے ایک مکان کے اندر لے گئے۔ اور فسطینہ اور اُس کی ماں کچھ دیر اپنے گھوڑے روک کر اُن کی جگر دوز چیخیں سنتی رہیں۔

بالآخر یوسیبیا نے ایرانی افسر سے مخاطب ہو کر پوچھا "یہ لوگ کہاں سے آئے ہیں؟"

اُس نے جواب دیا "یہ حیرہ، نجد اور یمن کے قبائل سے تعلق رکھتے ہیں اور ہمارے حلیف ہیں"

"تم ان مظلوم عورتوں کی مدد نہیں کر سکتے؟"

ایرانی افسر نے جواب دیا "جناب! ہمارے سپہ سالار کی طرف سے انہیں پوری آزادی ہے۔ اپنے سرداروں کے سوا یہ کسی کا حکم نہیں مانتے اور انہیں کوئی بات سمجھانے کے لئے مجھے ان کے سردار کو تلاش کرنا پڑے گا لیکن آپ کے لئے یہاں رُکنا مناسب نہیں، چلئے!"

یوسیبیا نے کچھ کہے بغیر گھوڑے کو ایڑ لگا دی اور عاصم اور فسطینہ اُس کے پیچھے پیچھے ہو لئے۔ تھوڑی دور آگے جا کر ایک ڈیوڑھی کے سامنے رکے اور گھوڑوں سے اتر پڑے۔ عاصم نے تینوں گھوڑوں کی باگیں پکڑ لیں اور فسطینہ اور اس کی ماں آگے بڑھ کر ڈیوڑھی کے بند دروازے پر دستک دینے لگیں۔ جب چند ثانیے کوئی جواب نہ آیا تو یوسیبیا اضطراب کی حالت میں نوکروں کو آوازیں دینے لگی۔

اچانک اندر سے زنجیر کی کھڑکھڑاہٹ سنائی دی اور یوسیبیا اور فسطینہ بھاری کواڑوں کو دھکیل کر اندر داخل ہوئیں۔ دروازہ کھولنے والا اپنے لباس سے عرب معلوم ہوتا تھا۔ اُس نے اپنی زبان میں کچھ سمجھانے کی کوشش کی لیکن وہ اُس کی طرف متوجہ ہوئے بغیر پائیں باغ میں بھاگتی ہوئی آگے نکل گئی۔

پہریدار انہیں چند آوازیں دینے کے بعد دروازے کی طرف متوجہ ہوا تو عاصم نے جلدی سے آگے بڑھ کر گھوڑے اندر ہانک دیئے۔

پہریدار چلایا "تم کون ہو۔ تم اندر نہیں جا سکتے۔"

عاصم نے جواب دیا "اگر یہ تھیوڈوسیس کا مکان ہے تو تم میرا راستہ نہیں روک سکتے۔"

"تمہاری بھلائی اسی میں ہے کہ آگے نہ جاؤ۔ یہ مکان ہمارے سردار کے قبضے میں ہے اور تمہارا شکار اب ایک شیر کی کچھار میں داخل ہو چکا ہے۔ اب تمہیں کسی اور گھر کا رُخ کرنا چاہیے۔"

پہریدار اپنی تلوار سونت کر عاصم کے راستے میں کھڑا ہو گیا۔

عاصم کی رگوں کا سارا خون سمٹ کر اُس کے چہرے میں آگیا۔ اُس نے جھپٹ کر ایک ہاتھ سے اپنے مدِمقابل کی کلائی پکڑ لی۔ اور دوسرے ہاتھ کی ایک ہی ضرب سے اُسے زمین پر لٹا دیا۔ پھر چشم زدن میں نیچے پڑی ہوئی تلوار اٹھائی اور باغ سے مکان کی طرف بھاگنے لگا۔

اتنی دیر میں ایرانی افسر اور اُس کے ساتھی جنہیں وہ پیچھے چھوڑ آئے تھے بھاگتے ہوئے اندر داخل ہوئے اور پہریدار نے اُن کے تیور دیکھ کر اٹھنے کی ضرورت محسوس نہ کی۔

عاصم کو باغ میں چند قدم بھاگنے کے بعد اچانک نسوانی چیخیں سنائی دیں اور جب وہ سیب کے درختوں سے نکل کر ایک عالیشان عمارت کے قریب پہنچا تو یوسیبیا دہائی مچاتی واپس آ رہی تھی اور تین آدمی قہقہے لگاتے اور گالیاں دیتے ہوئے اُس کا پیچھا کر رہے تھے۔

شراب کے نشے میں اُن کے پاؤں لڑکھڑا رہے تھے۔ سب سے اگلے آدمی نے یوسیبیا کی گردن پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی اور وہ دونوں مُنہ کے بل گر پڑے۔ عاصم نے گرجتی ہوئی آواز میں کہا "ٹھہرو! تم نہیں جانتے کہ تمہیں ایران کے شہنشاہ کے سامنے اس گستاخی کا جواب دینا پڑے گا۔ تم شہنشاہ کے ایک ایسے دوست کا عتاب مول لے رہے ہو جس کے اشارے پر تمہارے سرداروں کی گردنیں اڑا دی جائیں گی۔"

وہ انتہائی بدحواسی کے عالم میں عاصم کی طرف دیکھنے لگے اور پیشتر اِس کے کہ وہ کوئی اور اقدام کرسکتے ایرانی سپاہی جو عاصم کے پیچھے آ رہے تھے انہیں اپنے گھیرے میں لے چکے تھے۔

عاصم نے آگے بڑھ کر یوسیبیا کو اٹھنے کے لئے سہارا دیا۔ اور وہ ہوش میں آتے ہی چلانے لگی "خدا کے لئے! میری بیٹی کو بچاؤ۔ وہ مکان کے اندر ہے۔"

عاصم پوری قوت سے مکان کی طرف بھاگا ایک کمرے سے فسطینہ کی چیخیں سنائی دے رہی تھیں۔ اُس نے زور سے دھکا دے کر دروازہ کھولا اور ہوا کے ایک تند و تیز جھونکے کی طرح اندر داخل ہوا۔ فسطینہ ایک دیو قامت آدمی کے بازوؤں کی گرفت سے آزاد ہونے کی جدوجہد کر رہی تھی —— وہ فسطینہ کو ایک طرف دھکیل کر عاصم کی طرف متوجہ ہوا لیکن اُس کے ہاتھ خالی تھے اور ہتھیار کمرے کے دوسرے کونے میں پڑے تھے۔ عاصم اپنی تلوار پھینک کر ایک زخمی شیر کی طرح اُس پر جھپٹ پڑا۔ اُس نے مدافعت کے لئے ہاتھ اٹھائے لیکن نشے کی حالت میں اُس کی پیش نہ گئی۔ عاصم نے یکے بعد دیگرے اُس کے منہ اور گردن پر چند مکے رسید کئے وہ تیورا کر فرش پر گرا اور دوبارہ اٹھنے کی کوشش نہ کی۔ فسطینہ ایک بچے کی طرح سسکیاں لیتی اور روتی ہوئی عاصم سے لپٹ گئی۔ وہ کہہ رہی تھی "خدا کے لئے! آپ یہاں سے نکل جائیں۔ آپ بھاگ جائیں۔ آپ کو ہمارے ساتھ نہیں آنا چاہیئے تھا۔ ہمیں آپ کو بار بار خطرے میں ڈالنے کا کوئی حق نہیں۔ اگر ہمارے مقدر میں ذلت اور رسوائی ہے تو آپ ہماری کوئی مدد نہیں کر سکتے۔"

عاصم نے اُسے تسلی دیتے ہوئے کہا "نہیں فسطینہ میں بھاگنے کے لئے یہاں تک نہیں آیا۔ میں تمہیں چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔ اور تمہارے مقدر میں ذلت و رسوائی نہیں ہے۔"

یوسیبیا اور ایرانی افسر کمرے میں داخل ہوئے اور فسطینہ عاصم کو چھوڑ کر اپنی ماں سے لپٹ گئی۔ ایرانی افسر نے آگے بڑھ کر نیچے پڑے ہوئے آدمی کو اچھی طرح دیکھنے بھالنے کے بعد یوسیبیا کی طرف متوجہ ہو کر کہا "اگر آپ کا محافظ اس معزز آدمی کو قتل کر دیتا تو مسئلہ بہت خطرناک ہو جاتا۔"

یوسیبیا غصے سے کانپتے ہوئی بولی "تم اس وحشی کو ایک معزز آدمی سمجھتے ہو؟"

ایرانی افسر نے کہا "جناب! یہ حیرہ کے ایک معزز خاندان کا رئیس ہے اور لڑائی کے میدان میں بہت کم لوگ اس کے ہم پلہ سمجھے جاتے ہیں۔ آج اگر یہ شراب سے مدہوش نہ ہوتا تو اس کی یہ حالت نہ ہوتی۔"

یوسیبیا فسطینہ سے مخاطب ہوئی "وہ لڑکی کون تھی، وہ کہاں گئی ہے؟"

فسطینہ نے جواب دیا۔"میں اُسے اچھی طرح نہیں پہچان سکی لیکن میرا خیال ہے کہ وہ یوحنا کی بہن تھی میں نے اُسے پچھلے کمرے کی طرف بھاگتے دیکھا تھا۔"

یوسیبیا نے آگے بڑھ کر عقبی کمرے کا دروازہ کھٹکھٹاتے ہوئے کہا۔"دروازہ کھولو۔ تمہیں اب کوئی خطرہ نہیں میں تمہاری حفاظت کا ذمہ لیتی ہوں۔ میں یوسیبیا ہوں۔"

ایک عورت دروازہ کھول کر باہر نکلی، اُس کے بال بکھرے ہوئے تھے اور چہرے سے وحشت برس رہی تھی۔

"ہیلانہ!" یوسیبیا اور فسطینہ نے یک زبان ہو کر کہا۔ وہ چند ثانیے گردن جھکائے بے حس و حرکت کھڑی رہی۔ پھر اُس نے اچانک آگے بڑھ کر فرش پر پڑی ہوئی تلوار اٹھائی اور گرے ہوئے آدمی پر حملہ کرنے کی کوشش کی لیکن عاصم نے بھاگ کر اُس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ وہ چلائی "مجھے چھوڑ دو۔ خدا کے لئے! مجھے انتقام لینے دو۔ تم نہیں جانتے یہ کتنا ظالم ہے۔ اُس نے میرے شوہر کو قتل کیا ہے۔ اور میں کل سے ......" ستم رسیدہ عورت کی آواز سسکیوں میں گم ہو کر رہ گئی اور اُس کی آنکھوں میں آنسو چھلکنے لگے۔

عاصم نے اُس کے ہاتھ سے تلوار چھین لی اور وہ اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا کر رونے لگی۔

ایرانی افسر نے یوسیبیا سے سوال کیا۔"یہ آپ کی بہن ہے؟"

اُس نے جواب دیا۔"یہ ہمارے ایک پڑوسی کی بیوی ہے۔"

فسطینہ نے کہا۔"ہیلانہ! حوصلے سے کام لو۔ اور خدا کے لئے مجھے نانا جان کے متعلق بتاؤ۔"

"تمہارے نانا جان یہاں نہیں ہیں۔" ہیلانہ نے اپنی سسکیاں ضبط کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"وہ کہاں ہیں؟"

"انہیں زندہ جلا دیا گیا۔ دمشق والوں کو ایک بےگناہ آدمی کی جان لینے کی سزا ملی ہے۔ میرے خاوند نے انہیں بچانے کی کوشش کی تھی لیکن وہ بے بس تھا۔ اور کل اُس وحشی نے میری آنکھوں کے سامنے آپ کے بوڑھے نوکر کا گلا گھونٹ دیا۔"

یوسیبیا نے پوچھا۔"میرے باپ کو زندہ جلانے والے کون تھے؟"

"انہیں رومی سپاہی پکڑ کر لے گئے تھے۔ اور ہمارا بشپ اور شہر کے سینکڑوں آدمیوں کا جلوس اُس کے ہاتھ

جتا۔ اُن پر ایرانیوں کے جاسوس ہونے کا الزام لگایا گیا تھا۔"

یوسیبیا نے ڈوبتی ہوئی آواز میں کہا۔"تمہیں یقین ہے کہ میرے باپ کو زندہ جلا دیا گیا۔"

"ہاں! جب اُن کی چِتا کو آگ لگائی گئی تھی تو میرا شوہر اور محلے کے کئی آدمی وہاں موجود تھے۔"

"اور محلے کے لوگوں نے اُن کی کوئی مدد نہ کی؟"

"ان کے سینکڑوں ہمدرد موجود رہے تھے لیکن کلیسا کی عدالت کے فیصلے کے بعد کسی کو اُن کے خلاف دم مارنے کی جرأت نہ تھی۔ اور شہر کے عوام کی اکثریت بھی اُن کے خلاف مشتعل ہو چکی تھی۔"

یوسیبیا اور فسطینہ تھیوڈوسیس کی موت کی تفصیلات پوچھ رہی تھیں اور ایرانی افسر سریانی زبان سے ناآشنا ہونے کے باعث پریشانی کی حالت میں کھڑا تھا۔ مکان کے باہر اُس کے سپاہی تین عربوں کو گھیرے میں لئے کھڑے تھے ایک سپاہی کمرے میں داخل ہوا اور اُس نے اپنے افسر سے کہا۔"جناب! اُن عربوں کے متعلق کیا حکم ہے۔ وہ ہمیں دھمکیاں دے رہے ہیں۔"

"انہیں پڑاؤ میں لے جاؤ، شراب کا نشہ اُترنے کے بعد اُن کا دماغ ٹھیک ہو جائے گا۔ لیکن پہلے اُن کے سردار کو یہاں سے نکالو اور کم از کم چار آدمیوں کو پہرا دینے کے لئے یہاں چھوڑ دو۔"

سپاہی نے مڑ کر اپنے ساتھیوں کو آواز دی اور تین آدمی بھاگتے ہوئے کمرے میں داخل ہوئے، ایرانی افسر آگے بڑھ کر عرب سردار کو جھنجھوڑنے لگا اور اُس نے ہوش میں آکر آنکھیں کھول دیں۔ ایرانی افسر کے اشارے پر سپاہیوں نے اس کے بازو پکڑ کر اُسے اٹھایا اور دروازے کی طرف کھینچنے لگے۔ اُس نے بدحواسی کی حالت میں چند قدم گھسٹنے اور پھر اچانک اپنے آپ کو اُن کی گرفت سے چھڑانے کی کوشش کرنے لگا۔ لیکن چار آدمیوں کے مقابلے میں اُس کی پیش نہ گئی اور وہ اُسے زبردستی کمرے سے باہر لے گئے۔

ایرانی افسر نے یوسیبیا سے مخاطب ہو کر کہا۔"یہ عرب سخت منتقم مزاج ہوتے ہیں لیکن یہ شخص دوبارہ آپ کو پریشان نہیں کرے گا۔ تاہم موجودہ حالات میں آپ کا گھر محفوظ نہیں۔ اس لئے جب تک آپ یہاں ہیں میرے سپاہی آپ کے دروازے پر پہرا دیں گے۔ میں سپہ سالار کو آپ کے متعلق اطلاع دینے جا رہا ہوں اور اگر انہوں نے اجازت دی تو میں بذاتِ خود آپ کی حفاظت کے لئے یہاں آجاؤں گا۔ اگر سپہ سالار نے آپ کو کسی اور محفوظ